- احادیثِ قہقہۃ فی الصلاۃ پر غلام مصطفیٰ ظہیر صاحب کے اعتراضات کے جوابات
- نماز فجر وظہر کے مسنون اوقات
- امام ابوحنیفہؒ، امام علی بن المدینیؒ کے نزدیک ثقہ ہیں (ارشاد الحق اثری صاحب کو جواب)

ALIJMA
FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

نوٹ:

حضرات ! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔

اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کی بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیراً

ہمارا نظریہ

ہمیں کسی سے عناد و دشمنی نہیں ہے۔ حدیث میں نماز کے سلسلے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔ ایک پر آگر غیر مقلدین عمل کرتے ہیں تو ان سے کیوں لڑا جائے، جب کہ وہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ حنفیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے قیاس پر عمل پیرا ہیں،

تو اس وقت سوچو! کیسے خاموش رہا جائے اور یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ **حدیث پر تم سے زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں، اور تم زیادہ حدیث جاننے والے ہم ہیں۔**

محدث ابو المآثر حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ

بادلِ ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر ،اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔

ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے ،ورنہ ملکی اور عالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحتیں کہیں اور صرف ہوں۔

ادارہ: الاجماع فاؤنڈیشن

نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔(غلام مصطفٰی امن پوری کے اعتراضات کے جوابات)

-مولانا نذیر الدین قاسمی

معتبر احادیث سے ثابت ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانا(یعنی ٹھاٹھیں مار) کر ہنسنے سے نماز کے ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں :

دلیل نمبر ١ :

- امام ابن عدیؒ (م ٣٦٥ھ) فرماتے ہیں کہ :

حدثناه ابن جوصا،حدثنا عطية بن بقية ،حدثنا ابى ،حدثنا عمرو بن قيس السكونى عن عطاء ،عن ابن عمر قال:قال رسول الله ﷺ من ضحک فی صلاة قہقہة فليعد الوضوء والصلاة ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو کوئی نماز میں قہقہہ لگائے تو وہ اپنے وضو اور نماز کو لوٹائے۔(**الکامل لابن عدی ج:٤ص:١٠١**،واسنادہ حسن) اسکین ملاحظہ فرمائے

تأليف
الإمام الحافظ أبي أحمد عبد الله بن عديّ الجرجاني
المتوفى سنة ٣٦٥هـ

تحقيق وتعليق
الشيخ عادل أحمد عبد الموجود الشيخ علي محمد معوّض

شارك في تحقيقه
الأستاذ الدكتور عبد الفتّاح أبو سنّة
جامعة الأزهر

الجزء الرابع

منشورات
محمد علي بيضون
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

ذكر ما روى ذلك عن الحسن البصري الجزء الرابع (١٠١)

الزهري عنه عن الحسن فقال في هذه الرواية: عن أنس بن مالك والبلاء في هذه الرواية من سفيان بن محمد الفزاري، فإنه ضعيف، يجيء ذكره فيمن اسمه «سفيان» إن شاء الله، وقد اختلف أيضًا في هذا الحديث على الحسن ثلاثة ألوان، فأحد ذلك[1]:

ثنا زيد بن عبدالله بن زيد الفارض[2]، ثنا كثير بن عبيد، ثنا بقية، عن محمد الخزاعي عن الحسين، عن عمران بن حصين أن النبي ﷺ قال لرجل ضحك: «أعِدْ وضُوءَكَ».

قال ابن عدي: ومحمد الخزاعي هذا هو من مجهولي مشايخ بقية، ويقال: عن بقية في هذا الحديث عن محمد بن راشد، عن الحسن؛ ومحمد بن راشد أيضًا عن الحسن مجهول.

ثنا ابن صاعد، ثنا محمد بن عيسى بن حيان، ثنا الحسن بن قتيبة، ثنا عمرو بن قيس، عن عمرو بن عبيد، عن الحسن، عن عمران بن حصين، عن النبي ﷺ قال: «إذَا قَهْقَهَ أعَادَ الوضُوءَ والصَّلاةَ»، كذا قال في هذا الإسناد: عن عمرو بن قيس، عن عمرو بن عبيد وإنما هو عن عمر بن قيس، وهوالسكوني الحمصي، عن عمرو بن عبيد.

ثناه عمر بن سنان المنبجي، ثنا عبدالوهاب بن الضحاك، ثنا إسماعيل بن عياش عن عمرو بن قيس، عن عمرو بن عبيد، عن الحسن، عن عمران بن حصين الخزاعي، سمعت رسول الله ﷺ يقول: «مَنْ ضَحِكَ في الصَّلاةِ قَهْقَهَةً[3] فَلْيُعِدِ الوضُوءَ والصَّلاةَ».

وروى بقية عن عمرو بن قيس، عن عطاء، عن ابن عمر، عن النبي ﷺ.

ثنا ابن جوصاء، ثنا عطية بن بقية، حدثني أبي، ثنا عمرو بن قيس السكوني، عن عطاء، عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: «مَنْ ضَحِكَ في صَلاةٍ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الوضُوءَ والصَّلاةَ».

واللون الثاني عن الحسن:

١ـ في هـ: الثلاثة.
٢ـ في ل: قال: ثنا.
٣ـ في ل، هـ: كركرة.

سند کے روات کی تفصیل یہ ہے :

۱) امام ابواحمد بن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) مشہور ثقہ ،حافظ اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں۔**(تاریخ الاسلام ج:۸ص:۲۴۰)**

۲) ابن جوصاؒ جن کا پورانام امام حافظ احمد بن عمیر بن یوسف بن جوصاؒ (م ۳۲۰ھ) ہے۔وہ ثقہ ،حافظ اور امام اہل حدیث ہیں۔**(کتاب الثقات للقاسم ج:۱ص:۴۴۹،لسان المیزان ج:۱ص:۵۶۶،سیر اعلام النبلاء ج:۱۵ص:۱۵،الدلیل المغنی ص:۱۰۶)**

۳) عطیہ بن بقیہ بن الولیدؒ (م ۲۶۵ھ) بھی جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں ،انہیں ابن حبانؒ اور قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔امام ابن ابی حاتمؒ نے ان سے روایت لی ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک ابن ابی حاتمؒ صرف ثقہ سے ہی روایت لیتے ہیں۔**(انوار البدر ص:۱۲۴)** نیز ،انہوں نے یہ بھی کہا کہ "محله الصدق و كانت فيه غفلة" ان کا معاملہ سچا ہے اور ان میں کچھ غفلت ہے۔**(کتاب الثقات لابن حبان ج : ۸ص:۵۲۷،کتاب الثقات للقاسم ج:۷ص:۱۴۵)** امام ابوعوانہؒ نے آپ کی روایت کو صحیح اور حافظ ہیثمیؒ نے حسن کہا ہے۔**(صحیح ابوعوانہ حدیث نمبر:۷۸۹۰،المعجم الکبیر للطبرانی ج:۱ ص:۱۸۲، مجمع الزوائد ج:۹ص:۳۰۵،حدیث نمبر: ۱۵۶۶۹)** اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ محدث کا کسی حدیث کی تصحیح وتحسین کرنا ،اس حدیث کے ہرہرراوی کی توثیق ہوتی ہے۔**(نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام:ص۱۷،انوار البدر:ص۲۷)** معلوم ہوا کہ امام ابوعوانہؒ اور حافظ ہیثمیؒ کے نزدیک عطیہ بن بقیہ ثقہ ہیں۔

نیز عطیہ بن بقیہ بن الولیدؒ کا علم ہونے کے باوجود ،امام ابن عدیؒ نے الکامل میں آپ کے ترجمے کو ذکر نہیں کیا ہے ،اور اہل حدیث حضرات کا اصول ہے کہ جس راوی کا ترجمہ ،امام ابن عدیؒ اپنی کتاب الکامل میں ذکر نہ کریں ،وہ ابن عدیؒ کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔**(انوار البدر ص:۲۲۴،۲۲۵)** ثابت ہوا کہ ابن عدیؒ کے نزدیک یہ راوی ثقہ ہے۔[1]

---

[1] ابن حبانؒ نے انہیں ثقات میں شمار کرنے کے بعد کہا کہ "يخطئى ويغرب يعتبر حديثه اذاروى عن ابيه غير الاشياء المدلسة" وہ خطا کرتے ہیں اور غریب روایات لاتے ہیں،(اور)ان کی حدیثوں کا اعتبار اس وقت ہوگا جب وہ اپنے بعد بقیہ بن الولید سے روایت کرے (جس میں ان کے والد نے) تدلیس نہ کی ہو۔**(کتاب الثقات لابن حبان ج:۸ص: ۵۲۷)**

۴) بقیہ بن الولید ؒ (م ۱۹۷ھ) کے بارے میں فیصلہ کن قول یہی ہے کہ جب وہ ثقہ راویوں سے (یعنی معروف روات سے) سماع کی تصریح کریں تو وہ جمہور نزدیک ثقہ ہیں۔ **(الکاشف رقم: ۶۱۹)**

نیز اگر بقیہ ؒ کا کوئی ثقہ راوی متابع یا شاہد مل جائے تو اس صورت میں بھی بقیہ بن الولید ؒ پر تدلیس کا الزام مردود ہو گا اور وہ ثقہ ہوں گے۔ واللہ اعلم

تنبیہ :

یہاں پر بھی بقیہ ؒ نے سماع کی تصریح کی ہے اور ان کے شیخ بھی ثقہ ہیں ،جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ ابن حبان ؒ کے نزدیک عطیہ بن بقیہ کی روایت کا اعتبار اس وقت ہو گا جب ان کے والد بقیہ ؒ سماع کی صراحت کردیں۔ یہاں اس روایت میں بھی انہوں نے سماع کی صراحت کی ہے ،لہٰذا یہاں عطیہ ؒ پر خطاء کا احتمال ختم ہوجا تا ہے اور وہ اس روایت میں ثقہ ہیں۔

نیز "یخطیء" کی جرح کا جواب دیتے ہوئے ،زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ ثقہ راویوں کو بھی بعض اوقات خطاء لگ جاتی ہے۔ لہٰذا ایسا راوی اگر جمہور کے نزدیک ثقہ ہو ،تو اس کی ثابت شدہ خطاء کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور باقی روایتوں میں وہ حسن الحدیث ، صحیح الحدیث ہوتا ہے۔ (سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص:۳۱)اس روایت میں کسی ایک محدث نے بھی صراحت نہیں کی عطیہ ؒ سے خطاء ہوئی لہٰذا خود غیر مقلدین کے اصول سے ،یہاں پر وہ حسن الحدیث یا صحیح الحدیث ہیں۔

پھر "**یخطی**" کا ترجمہ کفایت اللہ صاحب 'کبھی کبھار غلطی کرنے والا' کرتے تھے۔ **(انوار البدر ص:۱۸۸)** یعنی اہل حدیث حضرات کے اصول سے ،ابن حبان ؒ کے نزدیک عطیہ قلیل الخطاء ہیں۔ (کبھی کبھار خطاء کرنے والے ہیں)اور خود کفایت اللہ صاحب کے اصول کی روشنی میں قلیل الخطاء کی روایت میں غالب احتمال عدم خطاء کا ہے،اس لئے انکی روایت مقبول ہے۔ **(انوار البدر ص:۱۴۷)** لہٰذا عطیہ بن بقیہ ؒ پر "**یخطیء**" کی جرح سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نیز جب جمہور نے عطیہ بن بقیہ بن ولید ؒ کی توثیق کردی ہے۔ تو جمہور کے مقابلے میں ابن حبان ؒ کی جرح مردود ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔ **(مقالات زبیر علی زئی ج:۶ص:۱۴۳،۱۴۴)** اس لحاظ سے بھی عطیہ بن بقیہ ؒ ثقہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ ابن الجوزی ؒ کا اعتراض کہ:

"اما الطريق الاول ففيه بقية و من عادته التدليس فكأنه سمعه من بعض الضعفاء فحذف اسم ذلک و قد كان له رواة يسوون الحديث ويحذفون اسم الضعيف۔" **(التحقیق ج:۱ص: ۱۹۶)**

۵) عمر بن قیس السکونیؒ (م ۱۴۰؁ھ) سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔(**تقریب رقم :۵۰۹۹**)

٦) امام عطاء بن ابی رباحؒ (م ۱۱۴؁ھ) ثقہ ہیں اور بخاری اور مسلم کے راوی ہیں۔(**تقریب رقم :۴۵۹۱**)

٧) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں۔(**تقریب**)

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن درجے کی ہے ،نیز امام ماردینیؒ (**م ۷۵۰؁ھ**) اور امام ابو محمد الزیلعیؒ (**م ۷۶۲؁ھ**) نے اس حدیث پر اعتراضات کے جوابات دیکر اسے معتبر ثابت کیا ہے۔(**الجوہر النقی ج:۱ ص:۱۴۷ ،نصب الرایہ ج:۱ص:۴۸**)

وضاحت :

اس معتبر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز میں اگر کوئی کھکھلا کر ہنسے تو نماز کے ساتھ ساتھ اس کا وضو بھی ٹوٹ جائیگا۔

اعتراض نمبر ۱:

صحیح نہیں ہے۔کیونکہ جمہور ائمہ محدثین نے صراحت کی ہے کہ بقیہؒ جب سماع کی صراحت کردیں تو وہ ثقہ وصدوق ہیں۔جیسا کہ امام ذہبیؒ نے صراحت کی ہے ،جس کا حوالہ اوپر گزرچکا ،اسی طرح امام یعقوب بن شیبہ السدوسیؒ،امام ابن سعدؒ،حافظ عجلیؒ،امام ابوزرعہؒ،امام ابواحمد الحاکمؒ،امام ابن خلفونؒ،امام سمعانیؒ وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ بقیہ بن الولیدؒ جب ثقہ سے روایت کریں تو ثقہ ہیں ،ان پر کلام مجہولین سے روایت کرنیکی وجہ سے کیا گیا ہے۔(**تہذیب التہذیب ج:۱ ص:۴۷۶،اکمال تہذیب الکمال ج:۳ص:۷**) بلکہ امام نسائیؒ نے واضح کیا ہے کہ ”اذاقال:حدثناوأخبرنافھوثقة“جب بقیہ حدثنا یا اخبرنا کہیں تو وہ ثقہ ہیں۔(**ایضا**)یہی وجہ ہے کہ امام ماردینیؒ (**م ۷۵۰؁ھ**) ابن الجوزیؒ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”ھوصدوق وقدصرح بالتحدیث والمدلس الصدوق اذاصرح بذلک زالت تھمة تدلیسه“بقیہ صدوق ہیں ،اور انہوں نے سماع کی صراحت کردی ہے اور صدوق مدلس جب سماع کی صراحت کردے تو اس پر تدلیس کا الزام ختم ہوجاتا ہے ۔(**الجوہر النقی ج:۱ص:۱۴۷**)،حافظ ابو محمد الزیلعیؒ (**م ۷۶۲؁ھ**) کہتے ہیں کہ ”ھذافیه نظر،لان بقیة صرح فیه بالتحدیث،والمدلس اذاصرح بالتحدیث،وکان صدوقاً،زالت تھمة التدلیس،وبقیة من ھذاالقبیل“ (ابن الجوزیؒ کی)یہ بات قابل غور ہے ،اس لیے کہ بقیہؒ نے سماع کی صراحت کردی ہے اور مدلس راوی جب سماع کی صراحت کردے جب وہ راوی صدوق ہو تو اس پر تدلیس کا الزام ختم ہوجائیگا اور بقیہ بن الولیدؒ اسی طرح کے (صدوق مدلس)ہیں۔(**نصب الرایہ ج:۱ص:۴۸**) معلوم ہوا کہ ابن الجوزیؒ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

غلام مصطفی ظہیر امن پوری صاحب کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف ہے، کیونکہ اس میں انقطاع ہے، امام عطاء بن ابی رباحؒ کا ابن عمرؓ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ **(السنۃ: شمارہ نمبر ا: صفحہ ۳۱)**

الجواب:

امام بخاریؒ (م ۲۵٦ھ) فرماتے ہیں کہ 'سَمِعَ أَبَا هُرَيرةَ، وابْن عَبّاس، وأبا سَعِيد، وجابر، وابن عُمَر، رضي الله عَنْهُم' امام عطاء بن ابی رباحؒ نے، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابو سعید خدریؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابن عمرؓ سے سنا ہے۔ **(التاریخ الکبیر: جلد ٦: صفحہ ۴٦۳)**، امام مسلمؒ (م ۲٦۱ھ) کہتے ہیں کہ 'سمع ابن عباس وأبا هريرة وأبا سعيد وجابرا وابن عمر'۔ **(الکنی والاسماء: جلد ۲: صفحہ ۷۱۹)** امام ابو نعیم اصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) کہتے ہیں کہ ' سمع من ابن عباس، وابن عمر' عطاءؒ نے ابن عباسؓ سے اور ابن عمرؓ سے سنا ہے۔ **(حلیۃ الأولیاء: جلد ۳: صفحہ ۳۱۵)** امام عبد الغنی المقدسیؒ (م ٦۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ 'سمع عبد الله بن العباس و عبد الله بن عمر'۔ **(الکمال فی اسماء الرجال للمقدسی: جلد ۷: صفحہ ۳۰۲)**، امام نوویؒ (م ٦۷٦ھ) کہتے ہیں کہ 'سمع العبادلة الأربعة: ابن عمر، وابن عباس، وابن الزبير، وابن أبي العاص'۔ **(تہذیب اللغات: جلد ا: صفحہ ۳۳۳)** حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) بھی فرماتے ہیں کہ 'سَمِعَ: عَائِشَةَ، وأبا هُرَيْرَةَ، وأسامة بْن زيد، وأمّ سَلَمَة، وابن عَبَّاس، وابن عُمَر'۔ **(تاریخ الاسلام: جلد ۳: صفحہ ۲۷۷)**، امام تقی الدین الحسنی الفاسیؒ (م ۸۳۲ھ) بھی کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباحؒ نے ابن عمرؓ سے سنا ہے۔ **(العقد الثمین: جلد ۵: صفحہ ۲۰۵)**

یہ تو چند محدثین کے اقوال ہوئے، پھر خود عطاء بن ابی رباحؒ نے ابن عمرؓ سے سماع کی صراحت کر دی ہے، چنانچہ امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا علي بن حمشاذ العدل، ثنا أبو الجماهر محمد بن عثمان الدمشقي، حدثني الهيثم بن حميد، أخبرني أبو معبد حفص بن غيلان، عن عطاء بن أبي رباح، قال: كنت مع عبد الله بن عمر فأتاه فتى يسأله عن إسدال العمامة، فقال ابن عمر: سأخبرك عن ذلك بعلم إن شاء الله تعالى، قال: كنت عاشر عشرة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، وابن مسعود، وحذيفة، وابن عوف، وأبو سعيد الخدري رضي الله عنهم، فجاء فتى من الأنصار فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جلس، فقال: يا رسول الله أي المؤمنين أفضل؟ قال: «أحسنهم خلقا» قال: فأي المؤمنين أكيس؟ قال: «أكثرهم للموت ذكرا وأحسنهم له استعدادا قبل أن ينزل بهم أولئك من الأكياس» ثم سكت الفتى۔

(**المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: جلد ۴: صفحہ ۵۸۲، حدیث نمبر ۸٦۲۳**، حافظ ذہبیؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے)

غور فرمایئے ! اس روایت میں امام عطاء ابن ابی رباح خود کہتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے پاس موجود تھا پھر انہوں نے ابن عمرؓ کا پورا کلام نقل کیا۔

لہذا محدثین کے اقوال اور عطاءؒ کی ابن عمرؓ سے سماع کی صراحت کی وجہ سے، غلام مصطفی ظہیر صاحب کا اعتراض باطل ومردود ہے۔

اعتراض نمبر ٢ :

ظہیر امن پوری صاحب کہتے ہیں کہ :

نیز اس میں بقیہ بن الولید راوی، اگرچہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہے، لیکن تدلیس تسویہ کے مرتکب تھے، لہذا اسند مسلسل بالسماع ہونی چاہیے۔ **(السنہ: شمارہ نمبر ا: صفحہ ٣١)**

الجواب:

بقیہ بن الولیدؒ کے بارے میں خود ظہیر صاحب کے استاد حافظ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ ان سے تدلیسِ تسویہ ثابت نہیں ہے۔ **(فتح المبین: صفحہ ٦٩)**، اسی طرح غیر مقلدین کے امام المحدثین، شیخ البانیؒ نے بھی دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ بقیہ بن الولید تدلیس تسویہ نہیں کرتے تھے۔ **(سلسلہ احادیث ضعیفہ: جلد ١٢ : صفحہ ١٠٥)**، لہذا غلام مصطفی ظہیر صاحب کا اعتراض خود انہیں کے علماء کی نظر میں مردود ہے۔

دلیل نمبر ٢ :

- امام طبرانیؒ **(م ٣٦٠؁ھ)** فرماتے ہیں کہ :

حدثنا احمد بن زہیر التستری ثنا محمد بن عبدالملک الدقیقی ثنا محمد بن ابی نعیم الواسطی ثنا مہدی بن میمون ثنا ہشام بن حسان عن حفصة بن سیرین عن ابی العالیة عن ابی موسی ،قال : بینما رسول اللہ ﷺ یصلی بالناس اذدخل رجل فتردی فی حفرة کانت فی المسجد ،وکان فی بصرہ ضرر فضحک کثیر من القوم وہم فی الصلاة ،فامر رسول اللہ ص من ضحک ان یعید الوضوء ویعید الصلاة ۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔اتنے میں ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے ،اور مسجد میں موجود ایک گڑھے میں گر گئے۔(ان کی آنکھ میں خرابی تھی)تو کئی لوگ نماز ہی کی حالت میں ہنس پڑے ،تو جو لوگ ہنسے تھے اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا وضو اور اپنی نماز دہرا لیں ۔**(المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد حدیث نمبر: ۲۴۴۰،ونصب الرایہ: ج:۱ص:۴۷**،حافظ ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ ”**ورجالہ موثقون وفی بعضھم خلاف**“ اس روایت کے رجال (رواۃ)ثقہ ہیں اور اس حدیث کی بعض سندوں میں اختلاف ہے)

اسکین:**نصب الرایہ**

نصب الراية لأحاديث الهداية

للإمام البارع الحافظ
العلامة جمال الدين أبي محمد عبد الله بن يوسف الزيلعي الحنفي
المتوفى سنة ٧٦٢ه
رحمه الله تعالى

مع حاشيته النفيسة المهمة
بغية الألمعي في تخريج الزيلعي

وتصحيح أصل النسخة بعناية بالغة من إدارة المجلس العلمي
وزاده تصحيحا ومقابلة بمخطوطتين
محمد عوامة

المكتبة المكية — مؤسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع — دار القبلة للثقافة الإسلامية جدة

كتاب الطهارات ٤٧

يقومون فيصلون ولا يتوضئون، انتهى. قال ابن المبارك "يعني وهم جلوس"، قال البيهقي[1]: وعلى ذلك حمله الشافعي، لأن اللفظ محتمل، والحاجة إلى هذا التأويل هنا أشد لذكر الغطيط، انتهى. إذ لا يخفق برأسه إلا من نام جالساً. قال ابن القطان في "الوهم والإيهام": وهذا يرده ما رواه البزار في "مسنده" ٢٣٠ من حديث عبد الأعلى عن شعبة عن قتادة عن أنس، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ ينتظرون الصلاة، فيضعون جنوبهم، فمنهم من ينام، ثم يقوم إلى الصلاة، قال: وهذا كما ترى صحيح من رواية إمام عن شعبة. وقال قاسم بن أصبغ[2]: ثنا محمد بن[3] عبد السلام الخشني ثنا محمد بن يسار[4] ثنا يحيى بن سعيد القطان ثنا شعبة به، قال: وهذا كما ترى صحيح من رواية إمام عن شعبة، واستدل على أن النعاس غير ناقض بما في "الصحيحين"[5] عن ابن عباس أنه ذكر قيامه خلف رسول الله ٢٣١ ﷺ في صلاة الليل، وفيه قال. "فجعلت إذا أغفيت يأخذ بشحمة أذني" الحديث.

الحديث الثاني والعشرون قال النبي ﷺ: «ألا من ضحك منكم قهقهة فليعد الصلاة ٢٣٢ والوضوء جميعاً»، قلت: فيه أحاديث مسندة، وأحاديث مرسلة. أما المسندة فرويت من حديث أبي موسى الأشعري. وأبي هريرة. وعبد الله بن عمر. وأنس بن مالك. وجابر بن عبد الله. وعمران ابن الحصين. وأبي المليح.

أما حديث أبي موسى، فرواه الطبراني[6] في "معجمه" حدثنا أحمد بن زهير ٢٣٣ التستري ثنا محمد بن عبد الملك الدقيق ثنا محمد[7] بن أبي نعيم الواسطي ثنا مهدي بن ميمون ثنا هشام[8] ابن حسان عن حفصة بنت سيرين عن أبي العالية عن أبي موسى، قال: "بينما رسول الله ﷺ يصلي بالناس إذ دخل رجل فتردى في حفرة كانت في المسجد، - وكان في بصره ضرر - فضحك كثير من القوم وهم في الصلاة، فأمر رسول الله ﷺ وسلم من ضحك أن يعيد الوضوء، ويعيد الصلاة"، انتهى.

(١) ص ١٢٠ (٢) أخرجه ابن حزم في "المحلى" ص ٢٢٤ - ج ١١ من حديث قاسم بن الأصبغ ثنا محمد بن عبد السلام الخشني ثنا محمد بن بشار ثنا يحيى، الخ (٣) وفي "الجوهر" ص ١٢٠ - ج ١: محمد بن عبد الرحيم الخشني ثنا محمد بن بشار، والصواب: محمد بن عبد السلام الخشني، راجع له "تذكرة الحفاظ" ص ٢٠٠ ج ٢ (٤) أصل الحديث في الترمذي في "باب الوضوء من النوم" ص ٨٠ من طريق ابن بشار، وليس فيه ذكر الجنوب، والله أعلم، وكذا عند الدارقطني: ص ٨، بلفظ: كنا نأتي مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فننام فلا نحدث لذلك وضوءاً، وقال: صحيح، اه (٥) هذا اللفظ لم أجده في البخاري، إنما هو في مسلم: ص ٢٦١ - ج ١ (٦) قال الهيثمي في "الزوائد" ص ٢٤٦: رواه الطبراني في "الكبير"، وفيه محمد بن عبد الملك الدقيقي، وبقية رجاله موثقون، اه. وقال في ص ٨٢ - ج ٢: رجاله موثقون، وفي بعضهم خلاف اه، قلت: محمد بن عبد الملك، قال النسائي: ثقة، وقال ابن أبي حاتم: سمع منه أبي، وسئل أبي عنه فقال: صدوق، ذكره ابن حبان في الثقات، وقال: مسلمة ثقة قال الحضرمي: ثقة، قال الدارقطني: وقال أبو داود: ولم يكن بحكم العقل "تهذيب" ص ٣١٧ - ج ٩، ووثقه مطين. والدارقطني "ميزان" (٧) هو محمد بن موسى بن أبي نعيم صدوق، لكن طرحه ابن معين "تقريب" (٨) مدلس من الثالثة.

رواۃ کی تحقیق یہ ہے :

۱) امام طبرانیؒ**(م۳۶۰ھ)** مشہور ثقہ ،امام اور حافظ الحدیث ہیں۔**(تاریخ الاسلام ج:۸ص:۱۴۳)**

۲) حافظ احمد بن زہیرؒ التستری**(م۳۱۰ھ)** بھی ثقہ ،حجت ہیں۔**(تاریخ الاسلام ج:۷ص:۱۵۲)**

۳) محمد بن عبدالملک الدقیقیؒ (م ۲۶۶ھ) سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ کے راوی ہیں اور ثقہ ،صدوق ہیں۔**(تقریب رقم ۶۱۰۱،سیر اعلام النبلاء ج:۱۲ص:۵۸۲)**

۴) محمد بن ابی نعیمؒ الوسطیؒ (م ۲۲۳ھ) سنن ابن ماجہ کے راوی ہیں اور جمہور کے نزدیک ثقہ ،صدوق ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ،امام ابوحاتمؒ نے انہیں صدوق اور امام احمد بن سنانؒ نے ثقہ ،صدوق کہا ہے۔اسی طرح ابن حبانؒ نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے ،امام ابو زرعہ رازیؒ نے بھی ان سے روایت لی ہے۔**(تقریب رقم :۶۳۳۷،تہذیب التھذیب ج:۹ ص:۴۸۱،تہذیب الکمال ج:۲۶ص:۵۲۷)**اور امام ابو زرعہ الرازیؒ،غیر مقلدین کے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔**(اتحاف النبیل ج:۲ص:۱۲۸)** معلوم ہو اکہ جمہور کے نزدیک آپؒ ثقہ وصدوق ہیں۔

۵) مہدی بن میمونؒ (م ۱۷۲ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔**(تقریب رقم :۶۹۳۲)**

۶) ہشام بن حسانؒ (م ۱۴۸ھ) بھی صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔**(تقریب رقم :۷۲۸۹)**

۷) حفصہ بنت سیرینؒ (م ۱۰۰ھ) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔**(تقریب رقم :۸۵۶۱)**

۸) ابوالعالیہ البصریؒ (م ۹۳ھ) بھی ثقہ راوی ہیں۔**(تقریب رقم : ۱۹۵۳)**

۹) ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں۔**(تقریب)** معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

ایک وضاحت :

بعض محدثین نے ابوالعالیہؒ سے یہ روایت مرسلاً نقل کی ہے۔لیکن معجم الکبیر للطبرانی میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ متصل آئی ہے۔جیسا کہ تفصیل اوپر بیان کی گئی۔اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

چنانچہ،غیر مقلد ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر صاحب ثقہ کی زیادتی کے بارے میں آخری قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

جمہور فقہاء ومحدثین اور اصولیین کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔خطیب نے اس قول کو پسند کیا ہے (اور کہا) کہ یہ قول ہمارے نزدیک صحیح ہے۔**(التحدیث ص:۲۵۳)**

اسی طرح زبیر علی زئی صاحب ابن کثیرؒ کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حافظ ابن کثیرؒ کی یہ بات محل نظر ہے ۔کیونکہ خطیب البغدادیؒ نے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء اور اصحاب الحدیث نے کہا : ثقہ کی زیادتی مقبول ہے ،جس کے ساتھ وہ منفرد ہو۔**(اختصار علوم الحدیث ترجمہ علی زئی ص:۴۸)**

لہذا غیر مقلدین کے اپنے اصول سے المعجم الکبیر للطبرانی والی یہ متصل روایت مقبول ہے ،لہذا اس پر اعتراض ہی مردود ہے۔

اعتراض:

غلام مصطفی ظہیر امن پوری صاحب کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں ہشام بن حسان مدلس ہیں، جو عن سے روایت کر رہے ہیں، ثقہ مدلس کی صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔**(السنۃ: شمارہ نمبر ۱: صفحہ ۳۰)**

الجواب:

ظہیر صاحب کے استاد، زبیر علی زئی لکھتے ہیں کہ مدلس راوی کی، اگر معتبر متابعت یا قوی شاہد مل جائے، تو اس پر سے تدلیس کا الزام ختم ہو جاتا ہے۔**(نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم مقام: صفحہ ۳۷)** اور دلیل نمبر ۱ میں موجود ابن عمرؓ کی روایت اور آگے آنے والی تمام روایات ہشام بن حسانؒ کی روایت کی قوی شواہد ہیں۔

لہذا ظہیر صاحب کا اعتراض خود ان کے اصول سے باطل ہے۔

دلیل نمبر ۳:

- امام ابونعیمؒ (م ۴۳۰ھ) کہتے ہیں کہ :

ثنا محمد بن ابراہیم، ثنا اسحا ق بن ابرہیم ،ثنا اسماعیل بن محمد ،ثنا مکی بن ابراہیم ،ثنا ابوحنیفة ،عن منصور بن زاذان قال:عن الحسن ،عن ابی سعید عن النبی ﷺ :بینما ہو فی الصلاة اذ اقبل أعمی یرید الصلاة ،فوقع فی روية فاستضحک بعض القوم ،حتی قہقہہ فلما انصرف قال النبی ﷺ من کان منکم قہقہہ فلیعد الوضوء والصلاة ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کی بات ہے، نبی پاک ﷺ نماز میں تھے تبھی ایک نابینا صاحب نماز کے ارادے سے آئے تو ایک نالی میں گر گئے تو کچھ لوگ ہنس پڑے یہاں تک کہ وہ ہنسی قہقہے تک پہنچ گئی تو جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے بھی قہقہہ لگایا ہے وہ اپنا وضو اور نماز دہرائے۔**(مسند امام ابو حنیفہ بروایت ابونعیم ص:۲۲۲)**

اسکین:

منصور بن دياب ٢٢٢

اللجلاج ، ثنا إبراهيم بن الجراح ، ثنا أبويوسف ، عن أبي حنيفة ، عن منصور ، عن الشعبي ، عن جابر ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لايجوز للمغيرة طلاق ، ولابيع ، ولاشراء .

* حدثنا أبوسعد عبدالرحمن بن محمد بن محمد الأردشتي بجرجان ، ثنا خلف بن محمد الخيام البخاري ، ثنا سهل بن ساروية البخاري ، ثنا شعيب بن الليث أبوصالح ، ويوسف بن علي الأبار ، قالوا : أخبرنا علي بن حكيم السعدي ثنا سلم بن مسلم الخشاب ، ثنا مكي ، عن أبي حنيفة ، عن منصور (٤٨ / ب) عن أبي وائل ، عن حذيفة رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم : أتى سباطة قوم ، فبال قائما .

***

روايته عن
منصور بن دياب

الضبي ، كوفي .

***

روايته عن
منصور بن زاذان الواسطي

سمع من : أنس ، والحسن ، ومحمد بن سيرين .

* حدثنا أبومحمد بن حيان ، ثنا سلم بن عصام ، عن عمه محمد بن المغيرة ، ثنا الحكم ، عن زفر ، عن أبي حنيفة ، عن منصور بن زاذان .

ح -

* وثنا محمد بن إبراهيم ، ثنا إسحاق بن إبراهيم ، ثنا إسماعيل بن محمد ، ثنا

محارب بن دثار ٢٢٣

مكي بن إبراهيم ، ثنا أبوحنيفة ، عن منصور بن زاذان ، كلهم : قال : عن الحسن ، عن أبي سعيد ، عن النبي صلى الله عليه وسلم : بينما هو في الصلاة إذ أقبل أعمى يريد الصلاة فوقع في روية ، فاستضحك بعض القوم حتى قهقه ، فلما انصرف ، قال النبي صلى الله عليه وسلم : من كان منكم قهقه فليعد الوضوء والصلاة .

هذا لفظ زفر ، والآخرون مثله .

ورواه أسد بن عمرو وغيره وليست .... ، فقال : سعيد بن صبيح .

***

روايته عن
أبي النضر محارب بن دثار

ابن كردوس بن فراس بن معاوية بن صخر السدوسي ، ولي قضاء الكوفة .

سمع : جابرا ، وابن عمر .

وروى عنه : الثوري ، وشعبة ، ومسعر .

* حدثنا سليمان بن أحمد ، ثنا محمد بن الفضل ، ..... ، ثنا مهدي بن حفص ثنا إسحاق الأزرق ، عن أبي حنيفة ، عن محارب بن دثار ، عن ابن عمر ، قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم : من صلى العشاء في جماعة ، وصلى أربع ركعات قبل أن يخرج من المسجد ، كان كعدل ليلة القدر (١) .

لم يروه عن ابن عمر إلامحارب ، ولاعنه إلا أبوحنيفة .

تفرد به إسحاق ، عن ..... ابن عون ، مرفوعا .

١ - قال الهيثمي في المجمع ٢ / ٢٣١ رواه الطبراني في الكبير ، وفيه من ضعف .

اس روایت کے راویوں کی تفصیل درج ذیل ہے :

١) امام ابونعیم اصبہانیؒ **(م۴۳۰ھ)** مشہور ثقہ ،حافظ ہیں۔**(تاریخ الاسلام ج:۹ص:۴۶۸)**

۲) محمد بن ابراہیم سے مراد مسند اصبہان محمد بن ابراہیم ابو بکر ابن المقریؒ **(م۳۸۱ھ)** ہیں ،جو کہ مشہور ثقہ ،حافظ الحدیث ہیں۔**(تاریخ الاسلام ج:۸ص:۵۲۴)**

۳) اسحاق بن ابراہیم کا پورا نام اسحق بن ابراہیم بن عبداللہ بن شاذان الفارسیؒ ہے۔جو کہ ثقہ راوی ہیں۔**(مسند ابوحنیفہ بروایت ابونعیم ص:۲۳۸،تاریخ الاسلام ج:٦ص:۲۹۴)**

۴) اسماعیل بن محمد بن ابی کثیر الفسویؒ **(م۲۸۸ھ)** بھی ثقہ شیخ ہیں۔**(تاریخ الاسلام ج:٦ص:۷۲۱)**

۵) امام حافظ مکی بن ابراہیمؒ **(م۲۱۵ھ)** صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ و مضبوط ہیں۔**(تقریب رقم :٦٨٧٧)**

٦) امام اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰؁) مشہور فقیہ ،امام ،حافظ الحدیث ،ثقہ اور حدیث کے شھنشاہ ہیں۔**(امام ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام ص:۳۲۳،نیز دیکھئے ص۲۱،۶۲،الاجماع مجلہ:شمارہ نمبر۳:ص۲۷۸)**

۷) منصور بن زاذانؒ **(م ۱۲۹؁)** صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ مضبوط ،عابد ہیں۔**(تقریب رقم:۶۸۹۸)**

۸) امام حسن البصریؒ **(م ۱۱۰؁)** بھی مشہور ثقہ ،فقیہ ،فاضل ،امام ہیں۔**(تقریب رقم : ۱۲۲۷)**

۹) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں۔[3]

نوٹ :

اس روایت میں امام حسن البصریؒ نے عن سے روایت کیا ہے اور وہ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں ،جن کی تدلیس قابل قبول ہوتی ہے۔**(طبقات المدلسین لابن حجر ص:۲۹)**

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔[4]

دلیل نمبر ۴ :

- امام ابن عدیؒ **(م ۳۶۵؁)** فرماتے ہیں کہ :

---

[3] یاد رہے کہ امام حسن البصریؒ کا سماع ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے ، جس کی تفصیل **ص:۱۸** پر موجود ہے لہذا یہ روایت متصل ہے۔

[4] امام ابو نعیمؒ نے اس روایت کی ایک اور سند اس طرح ذکر کی ہے کہ :

حدثنا ابو محمد بن حیان، ثنا سلم بن عصام، عن عمه محمد بن المغیرة، ثنا الحکم عن زفر، عن ابی حنیفة، عن منصور بن زاذان قال: عن الحسن عن ابی سعید عن النبی ﷺ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس روایت کے بھی رواۃ ثقہ ہیں ،اور حکمؒ سے مراد ابو محمد حکم بن ایوبؒ جن کو امام ذہبیؒ اور امام ابو نعیمؒ نے فقیہ کہا ہے اوار امام ابو شیخؒ نے آپ کا شمار اصبہان کے محدثین میں کیا ہے۔**(تاریخ الاسلام ج:۴ص:۱۰۹۷،طبقات المحدثین تاریخ اصبہان ج:۱ص:۳۵۰،طبقات المحدثین ج:۲ص:۹۶)** لہذا متابع کی وجہ سے یہ حدیث اور بھی قوی و مضبوط ہوجاتی ہے۔

حدثنا زيد بن عبدالله بن زيد الفارض ۔حدثنا كثير بن عبيد ۔حدثنا بقية عن محمد الخزاعی عن الحسن عن عمران بن حصين ۔ان النبی ﷺ قال لرجل ضحک أعد وضوئک ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (نماز میں) ہنسا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے فرمایا: اپنے وضو کو دہراؤ۔**(الکامل لابن عدی ج:۴ص:۱۰۱)**

اسکین:

تأليف
الإمام الحافظ أبي أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني
المتوفى سنة ٣٦٥هـ

تحقيق وتعليق
الشيخ عادل أحمد عبد الموجود الشيخ علي محمد معوّض

شارك في تحقيقه
الأستاذ الدكتور عبد الفتاح أبو سنّة
جامعة الأزهر

الجزء الرابع

منشورات
محمد علي بيضون
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

ذكر ما روى ذلك عن الحسن البصري — الجزء الرابع — (١٠١)

الزهري عنه عن الحسن فقال في هذه الرواية: عن أنس بن مالك والبلاء في هذه الرواية من سفيان بن محمد الفزاري، فإنه ضعيف، يجيء ذكره فيمن اسمه «سفيان» إن شاء الله، وقد اختلف أيضًا في هذا الحديث على الحسن ثلاثة ألوان، فأحد ذلك[1]:

ثنا زيد بن عبدالله بن زيد الفارض[2]، ثنا كثير بن عبيد، ثنا بقية، عن محمد الخزاعي عن الحسين، عن عمران بن حصين أن النبي ﷺ قال لرجل ضحك: «أعِدْ وضُوءَكَ».

قال ابن عدي: ومحمد الخزاعي هذا هو من مجهولي مشايخ بقية، ويقال: عن بقية في هذا الحديث عن محمد بن راشد، عن الحسن؛ ومحمد بن راشد أيضًا عن الحسن مجهول.

ثنا ابن صاعد، ثنا محمد بن عيسى بن حيان، ثنا الحسن بن قتيبة، ثنا عمرو بن قيس، عن عمرو بن عبيد، عن الحسن، عن عمران بن حصين، عن النبي ﷺ قال: «إذَا قَهْقَهَ أعَادَ الوضُوءَ والصَّلاةَ»، كذا قال في هذا الإسناد: عن عمرو بن قيس، عن عمرو بن عبيد وإنما هو عن عمر بن قيس، وهوالسكوني الحمصي، عن عمرو بن عبيد.

ثناه عمر بن سنان المنبجي، ثنا عبدالوهاب بن الضحاك، ثنا إسماعيل بن عياش عن عمرو بن قيس، عن عمرو بن عبيد، عن الحسن، عن عمران بن حصين الخزاعي، سمعت رسول الله ﷺ يقول: «مَنْ ضَحِكَ في الصَّلاةِ قَهْقَهَةً[3] فَلْيُعِدِ الوضُوءَ والصَّلاةَ».

وروى بقية عن عمرو بن قيس، عن عطاء، عن ابن عمر، عن النبي ﷺ.

ثنا ابن جوصاء، ثنا عطية بن بقية، حدثني أبي، ثنا عمرو بن قيس السكوني، عن عطاء، عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: «مَنْ ضَحِكَ فِي صَلاةٍ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدِ الوضُوءَ والصَّلاةَ».

واللون الثاني عن الحسن:

١ـ في هـ: الثلاثة.
٢ـ في ل: قال: ثنا.
٣ـ في ل، هـ: كركرة.

اس کی تحقیق یہ ہے:

۱) امام ابن عدیؒ کی توثیق گزر چکی۔

۲) زید بن عبداللہ بن زید ابوطلحہؒ بھی ثقہ ہیں۔ کیونکہ ان کے علم کے باوجود امام ابن عدیؒ نے ان کا ترجمہ اپنی کتاب الکامل میں ذکر نہیں کیا، اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ راوی ابن عدیؒ کے نزدیک ثقہ ہے۔ دیکھئے **(انوار البدر ص:۲۲۴)**

۳) کثیر بن عبید بن نمیرؒ (م **۲۵۰ھ**) سنن ابوداوٗد ،ابن ماجہ اور نسائی کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔(**تقریب رقم :۵۶۱۸**)

۴) بقیہ بن الولید کی توثیق گزر چکی۔(**دیکھئے ص:۳**)[5]

۵) *محمد الخزاعیؒ* بھی ثقہ ہیں۔

اعتراض :

ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ اس روایت میں *محمد الخزاعیؒ* مجہول ہیں۔اسی طرح ابن عدیؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ "**يقال عن بقية في هذا الحديث عن محمد بن راشد عن الحسن، ومحمد بن راشد أيضا عن الحسن مجهول**"اس حدیث کو بقیہ نے محمد بن راشد عن الحسن سے بھی روایت کیا ہے اور حسن سے روایت کرنے والے محمد بن راشد بھی مجہول ہیں۔(**الکامل لابن عدی ج:۴ص:۱۰**)

الجواب :

---

[5] اگرچہ اس روایت میں بقیہ بن الولیدؒ نے سماع کی صراحت نہیں کی ہے لیکن اس حدیث کی ایک اور سند امام دارقطنی نے ذکر کی ہے ،جس کی سند یہ ہے :

حدثنا به الحسين بن اسمعيل حدثنا محمد بن عيسى بن حنان ،نا الحسن بن قتيبة ،حدثنا عمر بن قيس ،ح وحدثنا محمد بن على بن اسمعيل ،نا سعيد بن محمد الترخمى ،نا ابراہيم بن العلاء ،نا اسمعيل بن عياش ،عن عمر بن قيس ،عن عمرو بن عبيد ،عن الحسن ،عن عمران بن حصين قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : من ضحک فی الصلاة قرقرة فليعد الوضوء والصلاة ۔وقال الحسن بن قتيبة اذا قہقہہ الرجل أعاد الوضوء والصلاة۔(سنن دار قطنی ج:۱ص:۳۰۲،حدیث نمبر: ۶۱۲)

غور فرمایئے!اس میں بقیہؒ کے متابع میں دو دو راوی امام اسمعیل بن عیاشؒ (**م ۱۸۲ھ**)[ثقہ]اور حسن بن قتیبہؒ (**لین**)موجود ہے۔اسی طرح **الخلافیات للبیھقی ج:۱ص:۳۷۳** پر عبدالرحمن بن سلامؒ (ثقہ) بھی بقیہ کے متابعات میں موجود ہے۔لہذا ان پر تدلیس کا الزام اس روایت میں مردود ہے اور بقیہؒ اس روایت میں ثقہ ہیں۔

نہایت ادب واحترام کے ساتھ عرض ہے کہ محمد الخزاعیؒ اور محمد بن راشدؒ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں، جن کا پورا نام محمد بن راشد الخزاعی ابوعبداللہ الشامی الدمشقیؒ **(م بعد ١٦٠؁ھ)** ہے۔ آپ سنن اربعہ کے راوی ہیں ،بقیہ بن الولیدؒ **(م١٩٧؁ھ)** کے استاذ ہیں اور جمہور کے نزدیک ثقہ ،صدوق ہیں۔ **(تہذیب الکمال ج:٢٤ص:١٩٣، تقریب رقم :٥٨٧٥، تہذیب التہذیب ج:٩ص:١٦٠، الکاشف)** محدث عینیؒ **(م٨٥٥؁ھ)** نے بھی امام ابن عدیؒ کے اعتراض کا تقریباً یہی جواب دیا ہے۔ **(العنایہ شرح ہدایہ ج:١ص:٢٩١)**

لہذا انہیں مجہول کہنا صحیح نہیں ہے ،بلکہ وہ ثقہ اور سچے ہیں۔

٦) امام حسن البصریؒ **(م١١٠؁ھ)** کی توثیق گزر چکی۔

٧) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ **(م٥٢؁ھ)** بھی مشہور صحابی رسول ہیں ۔**(تقریب رقم :٥١٥٠)**[6]

معلوم ہوا کہ اس بھی تمام رواۃ ثقہ ہیں ،لہذا یہ روایت بھی صحیح اور متصل ہے۔

اعتراض:

ظہیر امن پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت میں (حسن البصریؒ سے روایت کرنے والے) محمد الخزاعی سے مراد محمد بن راشد الخزاعی نہیں، بلکہ اور کوئی ہے، جن کے حالات نہیں مل سکے۔ **(صفحہ ٣٢)**

الجواب:

امام، حافظ ابن الترکمانیؒ **(م٧٥٠؁ھ)** نے بھی محمد الخزاعیؒ کا تعین محمد بن راشد الخزاعی الشامی سے کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: **'ابن راشد هذا وثقه ابن حنبل وابن معين'۔ (الجوہر النقي: جلد١: صفحہ ١٤٦)**

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں محمد الخزاعیؒ کے شاگرد بقیہ بن الولید ہیں، بقیہ بن الولید کے استادوں میں محمد الخزاعی کے نام سے محمد بن راشد الخزاعی المحولی الدمشقی الشامی موجود ہیں، جس کا حوالہ گزر چکا، اس لحاظ سے محمد الخزاعیؒ سے مراد محمد بن راشد الخزاعی الشامی ثابت ہوتے ہیں۔

---

[6] یاد رہے کہ امام حسن البصریؒ کا سماع حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے ، دیکھئے **(دوماہی مجلہ شمارہ نمبر: ٣ص:٢٧٤)**

لیکن موصوف ظہیر صاحب نے یہ بات چھپالی اور بڑی چالاکی سے کہا کہ محمد بن راشد المخولی کے اساتذہ میں کسی محدث نے بھی حسن البصریؒ کو ذکر نہیں کیا، نہ ہی حسن البصری کے شاگردوں میں ان کا نام موجود ہے۔**(صفحہ ۳۲)** تاکہ وہ اپنے مسلک بچا سکیں۔

اور یہی نہیں، بلکہ حافظ ابن الترکمانیؒ کے بارے میں انتہائی بے ادبی کے ساتھ کہتے ہیں کہ جناب ابن الترکمانی حنفی صاحب شدید وہم کا شکار ہو گئے ہیں، محمد الخزاعی مجہول کو محمد بن راشد المخولی سمجھ بیٹھے ہیں، ایک ثقہ راوی کی توثیق ایک مجہول پر تھوپ دی ہے۔**(صفحہ ۳۲)**

حالانکہ امام، حافظ ابن الترکمانیؒ جو کہ حافظ ذہبیؒ کے شاگرد ہیں۔**(ذیل التقیید: جلد ۱: صفحہ ۵۱۹)** ان کے بارے میں:

امام صلاح الدین الصفدیؒ **(م ۷۶۴ھ)** نے کہا کہ '**الشيخ الإمام الفاضل المفنن**'۔**(أعيان العصر للصفدی: جلد ۳: صفحہ ۴۶۲)**

ابن فہد مکیؒ **(م ۸۷۱ھ)** نے کہا: '**قاضي القضاة الإمام العلامة الحافظ**'

نیز کہتے ہیں کہ: '**له تآليف حسنة مفيدة منها "تخريج أحاديث الهداية" و "الدر النقي في الرد على البيهقي" و كتاب في علوم الحديث اختصر فيه كتاب ابن الصلاح اختصارًا حسنًا مستوفًى**'۔

حافظ عراقیؒ **(م ۸۰۶ھ)** نے کہا: '**الإمام العلامة الحافظ**'۔**(لحظ الألحاظ: صفحہ ۸۶ - ۸۷)**،

حافظ ابن حجرؒ **(م ۸۵۲ھ)** نے کہا: '**و كان كثير الإفضال، مع مشاركة فِي علم الحديث. و اختصر كتاب ابن الصلاح اختصاراً حسناً. سمعت شيخنا العراقي يقول: إنه أوفى بمقصوده. قال: ولا نعلم أحدا أساواه فِي ذَلِك**'۔**(رفع الإصر عن قضاة مصر لابن حجر: صفحہ ۲۷۸)**

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن الترکمانیؒ **(م ۷۵۰ھ)** امام، علامہ، حافظ الحدیث، اچھی اور نفع بخش کتابوں کے مصنف (جس میں الجوہر النقی بھی شامل ہے) اور علم حدیث کے عالم تھے۔

لہٰذا اس صدوق[7]، حافظ الحدیث اور حدیث و علوم الحدیث کے ماہر پر ظہیر صاحب کا اعتراض باطل و مردود ہے۔

ایک اور دلیل:

---

[7] **اضواء المصابیح از زبیر علی زئی: ص ۲۵۱**

محمد الخزاعیؒ کا محمد بن راشد المخولی الخزاعیؒ ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ محمد بن راشد المخولیؒ بصرہ بھی گئے تھے،

چنانچہ:

امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ: '**كان بالبصرة، يعتبر به**'۔ **(سوالات برقانی: رقم ۴۳۱)** امام ابن معینؒ: '**مُحَمد بن راشد، شَامي، نَزَل البَصرة**'۔ **(تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری: رقم ۳۳۴۴)**، یحییٰ بن سعید سے بھی ایک قول مروی ہے کہ: '**مُحَمد بن راشد صاحب مكحول شامي نزل البصرة**'۔ **(الکامل لابن عدی: جلد۷: صفحہ ۴۱۹)**

لہٰذا جب وہ بصرہ گئے تھے، تو ان کا حسن البصریؒ سے روایت کرنا کونسی تعجب کی بات ہے؟

الغرض یہاں اس روایت میں محمد الخزاعی سے مراد محمد بن راشد المخولی الخزاعی الشامی ہی ہیں اور یہ روایت مقبول ہے۔

واللہ اعلم

دلیل نمبر ۵ :

- الامام الحافظ الفقیہ ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاریؒ (م ۱۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ :

(یوسف بن ابی یوسف عن ابیه) عن ابی حنیفة، عن منصور بن زاذان عن الحسن عن معبد رضی الله عنه عن النبی ﷺ انه بینما هو فی الصلاة اذ أقبل أعمی یرید الصلاة، فوقع فی زبیة، فاستضحک بعض القوم حتی قهقهه فلما انصرف النبی ﷺ قال من کان منکم قهقهه فلیعد الوضوء والصلاة۔

ایک موقع پر جب کہ حضور پاک ﷺ نماز میں تھے تبھی ایک نابینا صحابی نماز کے لئے آئے۔ تو گڑھے میں گر گئے اس پر کچھ لوگ ہنس پڑے یہاں تک کہ ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوگئی، تو جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا وہ وضو اور نماز کو دہرا لے۔ **(کتاب الآثار للقاضی ابویوسف ص:۲۸، حدیث نمبر: ۱۳۵)**[8]

اسکین:

---

[8] ذہن میں رہے کہ زبیر علی زئی کا اعتراض "کہ کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ سے ثابت نہیں ہے" باطل ومردود ہے۔ جس کی تفصیل **ص:۲۵** پر موجود ہے۔

كتاب الآثار

للإمام الجليل النبيل قاضي القضاة

أبي يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري

المتوفى سنة ١٨٢ من الهجرة

روى كتاب « الآثار » أبو محمد يوسف بن يعقوب عن أبيه أبي يوسف . وهو مسند الامام الأعظم أبي حنيفة النعمان الكوفي رضي الله عنهم ، جمعه صاحبه أبو يوسف ، وأضاف إليه مروياته في مواضع منه ؛ ويسمى : مسند أبي يوسف أيضا

عني بتصحيحه والتعليق عليه

أبو الوفا

المدرس بالمدرسة النظامية

عنيت بنشره لجنة إحياء المعارف النعمانية

بحيدرآباد الدكن بالهند

دار الكتب العلمية

بيروت - لبنان

— ٢٨ —

١٣٥ — يوسف عن أبيه عن أبي حنيفة عن منصور بن زاذان(١) عن الحسن(٢) عن معبد(٣) رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه بينما هو في الصلاة إذ أقبل أعمى يريد الصلاة فوقع في زبية(٤) فاستضحك بعض القوم حتى قهقه ، فلما انصرف النبي صلى الله عليه وسلم قال : من كان منكم قهقه فليعد الوضوء والصلاة

١٣٦ — يوسف عن أبيه عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه قال : لا يصلي أحد عن أحد ، ولا يصوم أحد عن أحد(٥)

١٣٧ — يوسف عن أبيه عن أبي حنيفة عن حماد أنه قال : سألت إبراهيم فقلت أزيد في الأربع قبل الظهر ؟ فقال لي : بل طولهن

١٣٨ — يوسف عن أبيه عن أبي حنيفة عن علي أبي الحسن الزراد(٦) عن تمام

(١) هو منصور بن زاذان الواسطي أبو المغيرة الثقفي مولاهم . روى عن أنس وأبي العالية رفيع وعطاء والحسن وابن سيرين وقتادة والحكم وغيرهم ، وعنه ابن أخيه مسلم وجرير وهشيم وأبو عوانة ، روى له الستة مات سنة تسع وعشرين ومائة وقيل غير ذلك — من (ت) ١٢

(٢) الحسن بن أبي الحسن البصري مولى أم سلمة وربيع أو زيد أبو سعيد الامام أحد أئمة الهدى والسنة روى عن جندب وأنس وعبدالرحمن بن سمرة ومعقل بن يسار وأبي بكرة وسمرة وأرسل عن خلق من الصحابة ، روى عنه أيوب وحميد ويونس وقتادة وخلائق . كان عالما جامعاً رفيعاً ثقة مأمونا عابدا ناسكا شجاعا كثير العلم فصيحا جميلا وسيما . قال ابن المديني : مرسلات الحسن البصري التي رواها عنه الثقات صحاح ما أقل ما يسقط منها ، وقال أبو زرعة : كل شيء قال الحسن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وجدت له أصلا ، روى له الستة . مات سنة مائة وعشرة — من (خ)

(٣) هو معبد بن صبيحة القرشي التيمي من رهط طلحة ، ويقال : ابن صبيح ، رأى عليا وعثمان ، وروى عنه عبدالملك بن عمير والحسن وليس له صحبة وهو الذي روى أبو حنيفة عن منصور عن الحسن عنه حديث الضحك في الصلاة (ثقات ابن حبان) قلت : ذكره ابن عبدالبر وغيره في الصحابة وقال: جهني بصري وقال بعضهم خزاعي

(٤) الزبية بالضم قال في (مغ) تردى في زبية : أي ركية - ١٢

(٥) وأخرجه عبدالرزاق موقوفا على ابن عمر ، وأخرج النسائي في السنن الكبرى عن ابن عباس مثله وحديث إبراهيم أخرجه الامام محمد في « الآثار » عنه ثم قال : وبه نأخذ ، وهو قول أبي حنيفة

(٦) قال أبو المؤيد الخوارزمي في باب المشايخ من جامع المسانيد : أبو الحسن الزراد اختلفوا في اسمه فقيل : هو علي بن الحسين وقيل جعفر بن الحسن واختلفوا في كنيته ، فقيل أبو علي ، وقيل : أبو الحسن واتفقوا على أنه معروف بالصيقل الخ ، وقال العلامة ابن حجر رحمه الله في « تعجيل المنفعة » (الرداد) مكان (الزراد) فلعله من غلط الناسخ وطبع كذلك ، والحديث أخرجه الامام محمد في « الآثار » كذلك إلا أنه لم يذكر اسمه ولا نسبه ، وكذلك رواه الحارثي عن الأكثر ، ورواه عن بعض وكناه أبا يعلى

اس کی تفصیل یہ ہے :

۱) امام ،حافظ ،فقیہ ،قاضی ابویوسف ؒ(م ۱۸۲؁ھ)جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔**(تلامذہ امام ابوحنیفہ ؒکا محدثانہ مقام ص :۱۴۱)**

۲) امام ابوحنیفہ ؒ

۳) منصور بن زاذان ؒاور

۴) امام حسن البصری ؒکی توثیق گزر چکی۔

۵) معبد رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔

امام ابونعیمؒ (م ۴۳۰ھ) اور حافظ ابن الاثیر الجزریؒ (م ٦۳۰ھ) نے آپ کو صحابی بتایا ہے۔ **(معرفۃ الصحابہ ج:۵ص:۲۵۲۹،اسد الغابہ ج:۵ص:۲۱۱)**،حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی آپ کا شمار **"تجرید اسماء الصحابہ"** میں کیا ہے۔ **(ج:۲ص:۸۵)**

لہذا آپؓ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ

- یہ حدیث حسن البصریؒ نے عمران بن حصینؓ،ابوسعید الخدریؓ ،کے علاوہ معبد سے بھی نقل کی ہے۔
- اس کے سند کے تمام روات ثقہ ہیں۔
- اور سند بھی صحیح ہے۔[9]

اعتراض نمبر ا :

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ اس میں ارسال ہے، معبد الجہنی تابعی ہیں، خود امام دار قطنی نے اس کو مرسل کہا ہے۔۔۔۔ **(صفحہ ۳۱)**

الجواب:

یہاں اس روایت میں معبد الجہنی نہیں، بلکہ ایک دوسرے صحابی معبدؓ، جن سے حسن البصریؒ نے روایت کیا ہے، وہ موجود ہیں، جس کی تفصیل اوپر ہم نے بیان کر دی ہے۔ لہذا ظہیر صاحب کا اعتراض ہی مردود ہے۔

نوٹ:

---

[9] **ابن عدیؒ کا اعتراض اور اس کا جواب :**

امام ابن عدیؒ **(م ۳٦۵ھ)** کہتے ہیں کہ "ولم یقلہ احد عن معبد فی ھذا الاسناد الا ابو حنیفۃ" اس سند میں امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ کسی نے معبد رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ **(الکامل ج:۴ص:۱۰۲)**

حالانکہ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے ،کیونکہ **دلیل نمبر:٦** کے تحت ابن سیرینؒ نے بھی معبد رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔

امام دار قطنیؒ نے جس روایت کو مرسل کہا: وہ دلیل نمبر ٦ میں موجود روایت ہے، لیکن تحقیق کے لحاظ سے نہ وہ روایت مرسل ہے اور نہ ہی اس کے راوی معبد الجہنی تابعی ہیں، لہذا اس روایت پر اعتراض صحیح نہیں ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اعتراض نمبر ۲ :

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ اس سند کو دارومدار نعمان بن ثابت پر ہے، جو کہ بالاجماع مجروح ہے، نیز کہتے ہیں کہ کسی ثقہ امام سے اس کا ثقہ ہونا بسند صحیح ثابت نہیں۔ **(صفحہ: ۳۱)**

الجواب:

الحمد للہ، **الاجماع، شمارہ نمبر ۳**، سے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق صحیح سند کے ساتھ، ثابت کی جارہی ہیں، نیز دیکھئے **ص: ٦١**، لہذا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

اعتراض نمبر ۳ :

ظہیر صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں امام حسن البصریؒ کی تدلیس ہے۔ **(ایضاً)**

الجواب:

حسن البصریؒ طبقات ثانیہ کے مدلس ہیں، جس کا حوالہ گزر چکا، لہذا ان کی تدلیس قابل قبول ہے، نیز امیر المؤمنین فی الحدیث، امام یحیٰی بن معینؒ **(م۲۳۳ھ)** فرماتے ہیں کہ ' **إذا روى الحَسَن البصري عن رجلٍ، فَسَمَّاه، فهو ثقةٌ يحتج بحديثه**' جب امام حسن البصریؒ کسی راوی سے روایت کریں، پھر اس کا نام ذکر کریں، تو وہ راوی ثقہ ہے، اس کی حدیثوں سے احتجاج کیا جائے گا۔ **(تاریخ ابن ابی خیثمہ** بحوالہ **تہذیب التہذیب: جلد ا: صفحہ ۱۷٦)** اس سے معلوم ہوا کہ امام یحیٰی بن معینؒ کے نزدیک، امام حسن البصریؒ ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔

لہذا جب وہ ثقہ سے روایت کرتے ہیں، تو تدلیس بھی ثقہ ہی سے کرتے ہیں، اس لحاظ سے بھی یہاں پر ان کا عنعنہ مضر نہیں۔ الغرض ظہیر صاحب کے تمام اعتراضات باطل و مردود ہیں، اور یہ حدیث تحقیق کے لحاظ سے صحیح ہے۔

دلیل نمبر ٦ :

- امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ :

فاخبرنا ابوبکر بن الحارث انا علی بن عمر ثنا الحسین بن اسماعیل ومحمد بن مخلد قالا ثنا محمد بن عبداللہ الزہیری ابوبکر ثنا یحی بن یعلی ثنا ابی ثنا غیلان عن منصور الواسطی ۔۔۔۔ہو ابن زاذان ۔۔۔۔عن ابن سیرین عن معبد الجہنی قال کان النبی ﷺ یصلی الغداۃ فجاء رجل اعمی وقریب من مصلی رسول اللہ ﷺ بئر علی رأسہا جلۃ ۔فجاء الاعمی یمشی حتی وقع فیہا ۔فضحک بعض القوم وہم فی الصلاۃ ،فقال النبی ﷺ بعد ما قضی الصلاۃ ”من ضحک منکم فلیعد الوضوء والصلاۃ “۔

معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اتنے میں ایک نابینا صاحب آئے ۔۔۔اور نبی ﷺ کے مصلے کے پاس ایک کنواں تھا۔۔۔ان کے سر پر ایک بڑا ٹوکرا تھا۔تو وہ نابینا صاحب چلتے ہوئے آئے یہاں تک کہ اس میں گر پڑے۔اس پر کچھ لوگ نماز ہی کی حالت میں ہنس پڑے،تو نماز مکمل کرنے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا :جو لوگ ہنسے ہیں وہ وضو اور نماز دہرا لیں۔ **(الخلافیات للبیہقی ج:۱ص:۳۹۵)**

اسکین:

الخلافيات
بين الإمامين
الشافعي وأبي حنيفة وأصحابه
لشيخ السنة الإمام الحافظ
أبي بكر البيهقي
٣٨٤-٤٥٨ هـ
تحقيق ودراسة
فريق البحث العلمي بشركة الروضة
يحقق لأول مرة على خمسة أصول خطية
المجلد الأول
الروضة للنشر والتوزيع

كتاب الطهارة ٣٩٥

مَنْصُورٍ، وَإِنَّمَا رَوَاهُ مَنْصُورُ بْنُ زَاذَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ مَعْبَدٍ، وَمَعْبَدُ هَذَا لَا صُحْبَةَ لَهُ، وَيُقَالُ: إِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقَدَرِ مِنَ التَّابِعِينَ، حَدَّثَ بِهِ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: غَيْلَانُ بْنُ جَامِعٍ، وَهُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ، وَهُمَا أَحْفَظُ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِلْإِسْنَادِ[1].

أَمَّا حَدِيثُ غَيْلَانَ بْنِ جَامِعٍ:

[٧١١] فَأَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ، أنا عَلِيُّ بْنُ عُمَرَ، ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَا: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الزُّهَيْرِيُّ أَبُو بَكْرٍ، ثنا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى، ثنا أَبِي، ثنا غَيْلَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ الْوَاسِطِيِّ -هُوَ ابْنُ زَاذَانَ- عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْغَدَاةَ، فَجَاءَ رَجُلٌ أَعْمَى، وَقَرِيبٌ مِنْ مُصَلَّى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِئْرٌ عَلَى رَأْسِهَا جُلَّةٌ[2]، فَجَاءَ الْأَعْمَى يَمْشِي حَتَّى وَقَعَ فِيهَا، فَضَحِكَ بَعْضُ الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَمَا قَضَى الصَّلَاةَ: «مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ»[3].

وَأَمَّا حَدِيثُ هُشَيْمٍ:

[٧١٢] فَأَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ، أنا عَلِيُّ بْنُ عُمَرَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْوَكِيلُ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، ثنا هُشَيْمٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ. وَعَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ مُرْسَلًا [د/٦٨] بِبَعْضِ مَعْنَاهُ[4].

(١) سنن الدارقطني (١/ ٣٠٦).
(٢) في (س): «جلد». والجلة: وعاء من خوص يوضع فيه التمر.
(٣) أخرجه الدارقطني في السنن، رواية الحارثي (ق٣٢/ ب).
(٤) المصدر السابق (ق٣٢/ ب).

اس روایت کے راویوں کی تفصیل یہ ہے :

١) امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) مشہور ثقہ امام اور حافظ الزمانہ ہیں۔(**تاریخ الاسلام ج:١٠ص:٩٥**)

٢) ابو بکر ابن الحارثؒ جن کا پورانام احمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن الحارثؒ (م ۴٣٠ھ) ہے۔وہ بھی ثقہ ،حافظ ہیں۔ (**السلسبیل النقی فی تراجم شیوخ البیہقی ص:٢٢٨**)

٣) امام ،حافظ عمر بن علی الدارقطنیؒ (م ٣٨٥ھ) کی ذات بھی مشہور ومعروف ہے آپ کے تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

۴) فقیہ ،حافظ حسین بن اسماعیل القاضیؒ (م ٣٣٣ھ) اور ان کے متابع میں موجود محمد بن مخلد بن حفص البغدادیؒ (م ٣٣١ھ) دونوں بھی ثقہ ہیں۔(**الدلیل المغنی لشیوخ الامام ابی الحسن الدارقطنی ص:١٨٩،۴٥٩**)

٥) محمد بن عبد اللہ ابو بکر الزہیریؒ (م ٢٥٦ھ) بھی ثقہ راوی ہیں۔(**کتاب الثقات للقاسم ج:٨ص: ٣٧٠**)

٦) یحیی بن یعلی المحاربیؒ (م ٢١٦ھ) صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔(**تقریب رقم :٧٦٧٥**)

٧) ان کے والد یعلی بن الحارثؒ (م ١٦٨ھ) بھی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی ہیں۔(**تقریب رقم :٧٨۴٠**)

٨) منصور بن زاذانؒ کی توثیق گزرچکی دیکھئے (**ص:٨**)

٩) امام محمد بن سیرینؒ (م ١١٠ھ) بھی ثقہ ،حجت اور مضبوط ہیں۔(**تقریب رقم :٥٩۴٧ ، الکاشف**)

١٠) خالد الجہنیؓ صحابی رسول ہیں ۔(**الاصابہ لابن حجر ج:٦ص:١٣٠**)[10]

---

[10] **اعتراض :**

امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ کا کہنا ہے کہ معبدالجہنی صحابی نہیں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے تقدیر کے بارے میں کلام کیا تھا۔(**سنن دارقطنی ،معرفۃ السنن والآثار**) لہذا یہ روایت مرسل ہے۔

الجواب:

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی صحیح ہے۔

الغرض ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی باطل ہوجاتا ہے۔

نیز امام ابو حنیفہؒ (م ١٥٠؁ھ)، امام اوزاعیؒ (م ١٥٧؁ھ)، امام سفیان ثوریؒ (م ١٦١؁ھ)، فقیہ عبیداللہ بن حسن العنبریؒ (م ١٦٨؁ھ)، امام ابویوسفؒ (م ١٨٢؁ھ)، امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (م ١٨٩؁ھ) وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور دلیل کے رو سے یہی راجح ہے۔**(کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج:١ص:٥٧، کتاب الحجۃ للامام محمد ج:١ص:٢٠٣، اختلاف الفقہاء للمروزی ص:١١٤، مختصر اختلاف العلماء ج:١ص:١٦١، الاوسط لابن المنذر ج:١ص:٢٢٦)**

امام ابن ابی حاتمؒ (م ٣٢٧؁ھ) اور امام ابوعمر بن عبدالبرؒ (م ٤٦٣؁ھ) وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ معبد جہنی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں اور وہ اس معبد الجہنی کے علاوہ ہیں جنہوں نے تقدیر کے بارے میں کلام کیا ہے۔ابن عبدالبرؒ نے دوسرا قول نقل کیا کہ کہاجاتا ہے کہ معبد الجہنی ہی صحابی ہیں، جس کا رد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ٨٥٢؁ھ) نے لکھا ہے کہ :

قلت: ھذا الثانی باطل، فان القدری وافق ھذا الصحابی فی اسم ابیہ ونسبہ۔

(میں کہتا ہوں کہ یہ دوسرا قول (کہ قدری معبدالجہنی ہی صحابی ہیں) باطل ہے، کیونکہ قدری معبد الجہنی نے معبدالجہنی صحابی کے باپ اور ان کے نسب کے ساتھ موافقت کی(یعنی دونوں کے والد کا نام اور نسب ایک ہی ہے۔)۔**(الاصابہ لابن حجر ج:٦ص:١٣٠، الاستیعاب لابن عبدالبر ج:٣ص:١٤٢٦)** مطلب نام اور نسب ایک جیسا ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ قدری معبد الجہنی ہی صحابی ہے، جو کہ صحیح نہیں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قدری معبد الجہنی کے علاوہ بھی ایک صحابی رسول معبد الجہنی رضی اللہ عنہ کے نام سے ہیں۔لہذا یہاں پر وہ ہی مراد ہیں۔

الغرض دارقطنیؒ اور بیہقیؒ کا اعتراض صحیح نہیں ہے ۔

نوٹ: اس سے ابن عدیؒ کا اعتراض [کہ اس سند میں امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ کسی نے معبد رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا ہے، دیکھئے **ص:١٨**] اور اسی طرح غیر مقلد محمد خبیب احمد صاحب کا اعتراض بھی [**الاعتصام: ص٢٥، ٢٠٠٨، ٣٠ مئی-٥ جون**] باطل اور غیر صحیح ہوتا ہے۔

نمازِ فجر ادا کرنے کا مستحب وقت

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

اس مسئلہ کی تفصیل میں جانے سے پہلے دو لفظوں کے معنیٰ سمجھ لیجئے:

غَلَس:

غلس کے لغوی معنیٰ "ظلمة الليل "(رات کی تاریکی) کے ہیں، اور اس کا اطلاق اس اندھیرے پر بھی ہوتا ہے، جو طلوعِ فجر کے بعد کچھ دیر تک چھایا رہتا ہے، یہاں وہی اندھیرا مراد ہے۔

اِسفار:

اسفار کے معنیٰ ہیں اجالا اور روشنی۔

ایک اہم بات :

پوری امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ صبح کی نماز کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اور سورج کا کنارہ طلوع ہونے تک رہتا ہے۔[11]

نیز اس بات پر بھی پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے نمازِ فجر صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان ادا کی، اس نے نمازِ فجر کو اس کے وقت میں ادا کیا۔[12]

---

[11] امام ابن المنذرؒ (م۳۱۹ھ) نے کہا: وأجمعوا على أن وقت صلاة الصبح: طلوع الفجر۔" **(الاجماع لابن المنذر: رقم ۳٦)**، امام ابو محمد ابن حزمؒ (م۴۵٦ھ) نے کہا: "واتفقوا على أن طلوع الفجر المذكور إلى طلوع قرص الشمس وقت للدخول في صلاة الصبح۔" **(مراتب الاجماع: صفحہ ۲٦)**

[12] امام ابن المنذرؒ (م۳۱۹ھ) نے کہا: وأجمعوا على أن من صلى الصبح بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس؛ أنه يصليها في وقتها۔ **(الاجماع لابن المنذر: رقم ۳۷)**

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نمازِ فجر ادا کرنے کا مستحب وقت کونسا ہے، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

نمازِ فجر کے مستحب وقت سے متعلق ائمہ کی رائے:

امام مالکؒ **(م۱۷۹ھ)**، امام شافعیؒ **(م۲۰۴ھ)**، اور امام احمدؒ **(م۲۴۱ھ)** کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز غلس میں پڑھی جائے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ **(م۱۵۰ھ)**، امام سفیان ثوریؒ **(م۱۶۱ھ)**، امام حسن بن صالح بن حیؒ **(م۱۶۹ھ)** اور امام ابو یوسفؒ **(م۱۸۲ھ)**، اسفار کے قائل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ **(م۱۸۹)** کا بھی یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں امام محمدؒ **(م۱۸۹)** فرماتے ہیں کہ غلس میں شروع کی جائے اور اسفار میں ختم کی جائے، امام طحاویؒ **(م۳۲۱ھ)** نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام طحاویؒ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو طویل قرآت کا ارادر کھتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ غلس میں شروع کرے اور اسفار میں ختم کرے، اور اگر طویل قرآت کا ارادہ نہیں ہے تو غلس کے مقابلہ میں اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔[13]

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ **"وقد رأى غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، والتابعين: الإسفار بصلاة الفجر"** بہت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام اسفار میں ہی نمازِ فجر ادا کرنے کے قائل ہیں۔ **(سنن الترمذی:۱/۲۲۳، حدیث ۱۵۴)**

بلکہ فقیہ العراق امام ابراہیم نخعیؒ **(م۹۶ھ)** فرماتے ہیں کہ " ما اجتمع أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم على شيء ما اجتمعوا على التنوير " صبح کی نماز روشن کر کے پڑھنے پر صحابہ کرام کا ایسا اتفاق تھا کہ ایسا اتفاق کسی اور چیز پر نہ تھا۔ **(شرح معانی الآثار: جلد ۱: صفحہ ۱۸۴، رقم ۱۰۹۷)**[14]

---

[13] **(معارف السنن:۲/ ۳۵)، نیز دیکھئے (الأصل المعروف بالمبسوط للامام محمد: ج۱: ص۱۴۶،۲، الحجة على أهل المدينة للشيباني: ج۱: ص۱، مختصر الطحاوی: ص۲۴، مختصر اختلاف العلماء للطحاوی: ج۱: ص۱۹۵، شرح مختصر الطحاوی للجصاص: ج۱: ص۵۲۳، المدونۃ: ج۱: ص۱۵۷، کتاب الام: ج۱: ص۹۳، مسائل احمد بروایت ابی داود: رقم ۱۷۳)**

[14] **اس کی سند کا حال:**

۱-امام طحاویؒ **(م۳۲۱ھ)** مشہور ثقہ، ثبت حافظ الحدیث، اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں۔ **(الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستة : ۳۶/۲، ذکر من یعتمد قوله في الجرح والتعديل: ص ۲۰۴)**

۲-محمد بن خزیمہ بن راشد ابو عمرو البصریؒ۔ ثقہ۔(**التذییل علی کتب الجرح: ۱/ ۲۷۰، رقم ۲۷۶، الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستة : ۸/۲۶۷، رقم ۹۷۰۰**)

۳-عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبیؒ۔ ثقہ۔(**التقریب: ۳۶۲۰**)

۴-عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق السبیعیؒ۔ ثقہ مأمون۔(**التقریب: ۵۳۴۱**)

۵-اعمشؒ اور

۶-ابراہیمؒ معروف ثقہ روات میں سے ہیں۔(عام کتب رجال)

معلوم ہوا یہ سند بالکل صحیح ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اس سند پر بعض لوگ اعمشؒ کے عنعنہ کی وجہ سے کلام کرتے ہیں، جو کہ مردود ہے۔ دیکھئے (**الاجماع: شمارہ ۳: ص ۲۳۸**) نیز علم جرح و تعدیل رکھنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ محدثین کرام نے **"اعمش عن ابراھیم نخعی"** کی سند کو خاص طور سے قبول کیا ہے، اور اسے اتصال پر محمول کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم میں اعمش عن ابراہیم کی سند سے کثرت سے روایتیں موجود ہیں۔

اس بات کو غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ بھی قبول کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ **لكن العلماء جروا على تمشية رواية الأعمش المعنعنة، ما لم يظهر الانقطاع فيها، وقد قال الذهبي في ترجمته في " الميزان ": " ومتى قال: (عن) تطرق إليه احتمال التدليس إلا في شيوخ له أكثر عنهم كإبراهيم وأبي وائل وأبي صالح السمان، فإن روايته عن هذا الصنف محمولة على الاتصال ".**(صحیحہ: ۴/۴۰۳)

مزید اس کی متابعت اگلی سند سے بھی ہوتی ہے۔

امام ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (**م ۲۳۵ھ**) کہتے ہیں کہ " **حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن حماد ، عن إبراهيم ، قال : ما أجمع أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم على شيء ما أجمعوا على التنوير بالفجر** "۔(**مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث ۳۲۷۵**)

یہ سند پچھلی سند کی وجہ سے صحیح لغیرہ ہے۔ اس سند کے تمام راوی (وکیع بن الجراحؒ، سفیان ثوریؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، ابراہیم نخعیؒ) بخاری و مسلم کے مشہور ثقات ہیں، البتہ امام حماد بن ابی سلیمانؒ سے صرف امام مسلمؒ نے روایت لی ہے، اور وہ صدوق ہیں۔(**تقریب: رقم ۱۵۰۰**) امام ابراہیم نخعیؒ کے اس اثر سے ثابت ہوا صحابہ کرام اسفار پر متفق تھے۔

اس اثر کے مفہوم سے متعلق ایک اہم بات:

لہذا کتاب و سنت کے مطابق اسفار کا قول ہی راجح ہے، جس کے کچھ دلائل مع تفصیل درجِ ذیل ہیں :

دلیل نمبر ا :

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: " ومن الليل فسبحه وإدبار النجوم " ۔ **(پارہ ۲۷: سورہ الطور کی اخیری آیت)** اور رات کو اس کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں کے غائب ہونے کے بعد۔

اس آیت کے آخری جملہ **"اور ستاروں کے غائب ہونے کے بعد"** سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے، اسلئے کہ ستارے اس وقت غائب ہوتے ہیں جب آسمان پر روشنی پھیلنے لگتی ہے۔ اس بات کو امام کرمانیؒ **(م ۵۰۵ھ)** نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ (غرائب التفسیر و عجائب التأویل: جلد ۲: صفحہ ۱۱۵۰)[15] نیز دیکھئے **(الإكليل فی أسباب التنزيل للسيوطی: صفحہ ۲۴۹)**

ملک شام کے مشہور سلفی عالم و مفسر شیخ جمال الدین قاسمی شامیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ استدلال نقل کر کے کہا ہے کہ **"یہ مضبوط استدلال ہے"**۔ **(تفسیر القاسمی، محاسن التأویل: جلد ۹: صفحہ ۵۷)**

جماعت سلفیہ کے حکیم الامت، شیخ بدیع الدین شاہ راشدی اور دوسری کبارِ علماء سلفیہ کے شاگرد، مصر میں مسجد امام ابو حنیفہؒ کے امام، سلفی شیخِ کبیر ، محمد احمد اِسماعیل مقدم نے، اپنی تفسیر میں اس استدلال کو بھی نقل کیا ہے، اور شیخ جمال الدین قاسمی کے فیصلہ کو درج

امام طحاویؒ **(م ۳۲۱ھ)** نے اس اثر سے یہ استدلال کیا ہے کہ " فالذي ينبغي: الدخول في الفجر في وقت التغليس , والخروج منها في وقت الإسفار "یعنی مناسب یہ ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع کی جائے اور اسفار میں ختم کی جائے۔ **(شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۸۴، رقم ۱۰۹۷)**

غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنے کی دو وجہ ہے: ایک تطویلِ قرآت اور دوسری تکثیر جماعت بالغلس۔

جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے بیان کی جائے گی۔ (دیکھئے **ص:**)

[15] ان کے الفاظ یہ ہیں:

قوله: (وَإِدْبَارَ النُّجُومِ) قيل: هو صلاة الفجر، وقيل: ركعتا الفجر. الغريب: استدل بعض الفقهاء بالآية على أن الإسفار بصلاة الفجر أفضل لأن النجوم لا إدبار لها، وإنما ذلك بالاستتار عن العيون.

کرتے ہوئے اس پر سکوت بھی کیا ہے، اور اخیر میں امام محمدؒ اور امام طحاویؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ غلس میں نماز شروع کی جائے اور اسفار میں ختم کی جائے۔ (**تفسیر القرآن الکریم، المقدم: ۱۴۴/ ۱۲**، حسب ترتیب الشاملۃ)[16]

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مطابق فجر کی نماز کو اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل نمبر ۲ :

آیئے ایک نظر حدیث شریف پر ڈالتے ہیں، امام ترمذیؒ (**م۲۷۹ھ**) کہتے ہیں کہ "**عن رافع بن خديج ؓ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر**" حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز روشن کرکے پڑھو، اس لئے کہ یہ زیادتی اجر کا باعث ہے۔ (**رواہ الامام الترمذیؒ، ت، بشار: جلد۱: صفحہ ۲۲۳، رقم ۱۵۴**)

---

16 سلفی شیخ کبیر محمد احمد اسماعیل مقدم کی تفسیر آڈیو [MP3] کی شکل میں [Archive.org] پر موجود ہے۔

ان کے الفاظ یہ ہیں:

الاستدلال بالآية على أفضلية الإسفار بصلاة الصبح، وذكر الخلاف في ذلك:

قال في الإكليل: قال الكرماني: إن بعض الفقهاء استدل بهذه الآية على أن الإسفار بصلاة الصبح أفضل؛ لأن النجوم لا إدبار لها، وإنما ذلك بالاستتار عن العيون، ثم علق صاحب الإكليل [16] على هذا فقال: وهو استدلال متين.

يعني أن الإسفار بصلاة الصبح أفضل من التغليس، والغلس هو: ما تبقّى من الظلمة في آخر الليل عند بداية طلوع الفجر، حيث يكون هناك بقايا ظلمة منتشرة، فالتغليس بالصلاة هو: أداؤها في وقت الغلس، يعني: حين يطلع الفجر، لكن بقيت ظلمة من آخر الليل.

فيقول الكرماني: إن بعض الفقهاء استدل بقوله تعالى: ((وَإِدْبَارَ النُّجُومِ)) على أن الإسفار بصلاة الصبح أفضل؛ لأن النجوم لا إدبار لها، وإنما ذلك بالاستتار عن العيون.

يعني: أن صلاة الصبح تكون وقت إدبار النجوم، والنجوم لما ينتشر ضوء الصباح تختفي؛ لأن الضوء ينتشر فيسترها.

فهذا الفريق من الفقهاء قالوا: إذا قلنا: إن (إدبار النجوم) صلاة الفجر، ففي هذه الحالة يكون المعنى: صل صلاة الصبح وقت استتار النجوم، ومتى تستتر؟ تستتر بانتشار الضوء الذي هو الإسفار.

وهذه المسألة فيها خلاف بين الفقهاء، على ثلاثة أقوال: القول الأول: إنه يغلس بصلاة الفجر، يعني: تصلى في أول الوقت.

القول الثاني: إنه يصلى في وقت الإسفار.

القول الثالث: -وهو الراجح-: أن أدلة كلا الفريقين صحيحة؛ لكن المقصود: أنه يدخل في الصلاة في وقت الغلس ثم يطيل الصلاة حتى ينصرف منها وقت الإسفار، هذا هو الجمع، والله تعالى أعلم.

حضرت رافع بن خدیجؓ سے، اس حدیث کو، انہیں الفاظ کے ساتھ، ترمذیؒ کے علاوہ بھی بہت سے محدثین نے، اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔(**مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ٣٢٦١، مسند احمد، الرسالۃ ٢٨ / ٥١٨، صحیح ابن حبان ٤ / ٣٥٧، المعجم الکبیر: ٤ / ٢٤٩، شرح السنۃ للبغوی : ٢ / ١٩٦**) وغیرہ

امام ابن حجرؒ اس حدیث کی صحت کے بارے میں فرماتے ہیں "صححه غير واحد" کئی علماء نے اسے صحیح کہا ہے۔(**فتح الباری: جلد ٢: صفحہ ٥٥**) غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ نے بھی اپنی متعدد کتابوں میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔(**ارواء الغلیل: جلد ١: صفحہ ٢٨١، رقم ٢٥٨، الصحیحۃ: جلد ٣: صفحہ ١٠٩، رقم ١١١٥، صحیح الجامع الصغیر: جلد ١: صفحہ ٢٢٧، رقم ٩٧٠**)

امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو احادیث متواترۃ میں شمار کیا ہے، اور اس کی تخریج کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

أ- (سنن) اربعہ (کے مصنفینؒ) اس حدیث کو روایت کرتے ہیں رافع بن خدیجؓ سے۔

ب- امام احمدؒ، محمود بن لبیدؓ سے۔

ج- امام طبرانیؒ، حضرت بلالؓ، ابن مسعودؓ، ابوہریرہؓ اور حواءؓ سے۔

د- امام بزارؒ، حضرت انسؓ اور قتادہؓ سے۔

ھ- امام عراقیؒ، صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص۔ دیکھئے (**قطف الازھار المتناثرۃ: صفحہ ٧٨، رقم الحدیث ٢٥**)

اس حدیث کو متواتر کہنے میں امام مناویؒ اور امام کتانیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی موافقت کی ہے۔(**فیض القدیر للمناوی: جلد ١: صفحہ ٥٠٨، رقم الحدیث: ١٠٢٤، نظم المتناثر للکتانی: صفحہ ٨٠، رقم ٦١**)

البتہ بعض محدثین نے امام سیوطیؒ کے اس فیصلہ سے اختلاف بھی کیا ہے، وہ حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث کی تصحیح تو کرتے ہیں، مگر اس حدیث کے متواتر ہونے سے اتفاق نہیں رکھتے۔ (**المداوی لعلل الجامع الصغیر، للشیخ احمد الغماری: ج ١/ص ٥٥٠، رقم ٥٠٣۔ ایضاً: ج ٦/ص ٤٧٤، رقم ٣٥٩٥**)

معلوم ہوا یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے، کہ فجر کی نماز کو اسفار میں ادا کرنا چاہیے۔

اس مسئلہ پر اور بھی روایتیں پیش کی جاتی ہیں، مگر بوجہ اختصار ہم یہاں صرف اس ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، جو بالکل صحیح بھی ہے اور اس مسئلہ پر صریح بھی۔

اس حدیث کی ایک تاویل اور اس کا جواب:

جو علماء کرام، غلس میں نمازِ فجر کی ادائیگی کو مستحب کہتے ہیں، ان کی طرف سے مذکورہ بالا حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے **(وقال الشافعي، وأحمد، وإسحاق: معنى الإسفار: أن يضح الفجر فلا يشك فيه ولم يروا أن معنى الإسفار: تأخير الصلاة، سنن الترمذی: جلد ۱: صفحہ ۲۲۳، رقم ۱۵۴)** کہ یہاں روشن کرکے پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ فجر بالکل واضح ہو جائے، صبح صادق کا یقین ہو جائے، اس میں کوئی شک نہ رہے، اس وقت فجر پڑھی جائے، اسکا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ فجر کی نماز تاخیر سے ادا کی جائے۔

مگر خود ائمہ محدثین نے اس تاویل کو رد کیا ہے، چنانچہ:

(۱) امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں " **وفي هذا التأويل نظر** " اس تاویل میں نظر ہے۔ **(الدرایۃ: ۱/۱۰۳، رقم ۱۰۰)** غیر مقلد عالم و محدث شیخ عبد الرحمن مبارکپوریؒ بھی ابن حجرؒ کی اس بات کو نقل کرکے اس پر سکوت کرتے ہیں۔ **(تحفۃ الاحوذی: ۱/۴۰۹)**

(۲) اسی طرح احادیث الاحکام کے بارے میں لکھی گئی مشہور ترین کتاب "الامام فی شرح الالمام" میں امام محمد بن علی ابن دقیق العیدؒ **(م ۷۰۲ھ)** فرماتے ہیں " **قال في الإمام: وفسر الإمام أحمد الإسفار في الحديث ببيان الفجر وطلوعه، أي لا تصلوا إلا على تبين من طلوعه، قال: وهذا يرده بعض ألفاظ الحديث أو يبعده** " امام احمدؒ نے اس حدیث میں لفظ اسفار کی تفسیر وضوحِ فجر سے کی ہے، یعنی اس وقت تک نمازِ فجر نہ پڑھو جب تک کہ طلوعِ فجر کا یقین نہ ہو جائے، ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کے بعض الفاظ اس تاویل کو رد کرتے ہیں یا بعید بتاتے ہیں۔ ابن دقیق العیدؒ کی یہ پوری بات امام زیلعیؒ نے نقل کی ہے۔ دیکھئے **(نصب الرایۃ: ۱/ ۲۳۸)**[17]

یہی امام ابن دقیق العیدؒ اپنی دوسری کتاب میں فرماتے ہیں " **قيل فيه: إن المراد بالإسفار: تبين طلوع الفجر ووضوحه للرائي يقينا. وفي هذا التأويل نظر. فإنه قبل التبيين والتيقن في حالة الشك لا تجوز الصلاة. فلا أجر فيها** " اس میں یہ کہا گیا ہے کہ: اسفار سے مراد یہ ہے کہ "صاف طور سے طلوعِ فجر ہو جائے، اور دیکھنے والے کو اس کا یقین ہو جائے"

---

[17] (نقل الامام الزيلعی ؒ فی كتابه هذا الكلام عنه، فإن الكتاب " الإمام " –حسب علمی - ما طبعت منه إلیٰ الآن إلا المجلدة الأولیٰ من الأصل فی أربع مجلدات ، يقول الامام ابن دقيق العيد ؒ فی آخر المجلد الرابع من المطبوع : آخر المجلدة الأولیٰ ، ولله الحمد والفضل والمنة ، يتلوه فی أول المجلدة الثانية إن شاء الله تعالیٰ : ذكر التغليس بصلاة الصبح)

، اس تاویل میں نظر ہے، اس لئے کہ طلوعِ فجر کا یقین ہونے سے پہلے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں، تو اس میں تو سرے سے اجر نہیں ہے۔ **(إحکام الأحکام شرح عمدۃ الأحکام: ۱/ ۱۶۷)**

مذکورہ بالا عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اس تاویل کا مطلب ہوگا کہ ”طلوع فجر کا یقین ہونے کے بعد پڑھو گے تو اجر زیادہ ملے گا اور یقین ہونے سے پہلے پڑھو گے تو اجر کم ملے گا“۔ جبکہ یہ بات واضح طور پر باطل ہے، اس لئے کہ طلوعِ فجر کا یقین ہونے سے پہلے نماز پڑھنا درست ہی نہیں تو اس پر سرے سے اجر ہی نہیں ملے گا، کم زیادہ کی کیا بات۔

کتنی تاخیر سے نمازِ فجر ادا کی جانی چاہیے:

ہریر بن عبد الرحمنؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا حضرت رافع بن خدیجؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”نوروا بالصبح قدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم“ صبح کو اتنا روشن کرکے پڑھو کہ لوگوں کو اپنے تیروں کے گرنے کی جگہیں نظر آنے لگے۔ **(مسند ابن ابی شیبہ : جلد ۱ : صفحہ ۷۸، رقم الحدیث ۸۳، مسند ابی داؤد الطیالسی: جلد ۲: صفحہ ۲۶۶، رقم الحدیث ۱۰۰۳، المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۴: صفحہ ۲۷۷، رقم الحدیث ۴۴۱۴)**

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: **(صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ: جلد ۱: صفحہ ۲۲۷، رقم الحدیث ۹۶۹)** اور اپنی دو کتابوں میں اس کی سند کو صحیح اور اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے: **(ارواء الغلیل: جلد ۱: صفحہ ۲۸۴، الثمر المستطاب: جلد ۱: صفحہ ۸۴)** المطالب العالیہ کے محققین نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ **(المطالب العالیہ، محققاً: ۳/ ۱۷۱)**

اس حدیث سے متعلق چند ملاحظات:

(۱) اس سند کے بارے میں شیخ البانیؒ نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ ہریر بن عبد الرحمٰنؒ نے اپنے دادا حضرت رافع ابن خدیجؓ سے نہیں سنا ہے۔لكن ما أرى أن هرير بن عبد الرحمن هذا سمعه من جده رافع۔ (الثمر المستطاب : ۱/ ۸۴)

جبکہ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ ایک روایت میں انہوں نے اپنے دادا سے سماع کی تصریح کی ہے، پس اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ حدیث متصل ہے،**لكن قد صرح بسماعه من جده فى رواية كما يأتى , فإذا ثبت ذلك فهو متصل**۔(ارواء الغلیل: ۱/۲۸۴)

اور مسند ابن ابی شیبہ کی صحیح سند میں ہریر بن عبد الرحمنؒ نے اپنے دادا سے سماع کی صراحت کی ہے۔ **قال: سمعت هرير بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج، قال: سمعت جدي رافع بن خديج يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم**۔(۱/۷۸، رقم ۸۳)

(۲) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل المدنی آئے، دراصل یہاں ابراہیم بن اسماعیل المدنی نہیں بلکہ ابراہیم بن سلیمان، ابو اسماعیل المؤدب ہیں، ابو نعیمؒ سے نسبت میں چوک ہو گئی۔

امام عبد الرحمن بن ابی حاتمؒ نے اپنے والد سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ یہاں ابو نعیم سے نسبت کرنے میں غلطی ہو گئی ہے، ابراہیم بن اسماعیل المدنی کی کتاب میں یہ حدیث موجود نہیں ہے، کئی محدثین نے ابو اِسماعیل الُ مؤدب کی سند سے یہ حدیث مجھ سے بیان کی ہے، اور یہی زیادہ مناسب ہے۔[18]

---

[18] **ان کے الفاظ یہ ہیں:**

وسألت أبي عن حديث رواه أبو نعيم ، عن إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع، عن هرير بن عبد الرحمن، عن جده رافع بن خديج؛ قال: قال رسول الله (ﷺ) لبلال: نور بالفجر قدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم؟ قال أبي: حدثنا هارون بن معروف وغيره، عن أبي إسماعيل إبراهيم بن سليمان المؤدب، عن هرير؛ وهو أشبه۔(علل الحدیث لابن ابی حاتم: جلد ۲: صفحہ ۳۰۱، رقم ۳۸۵)

وسمعت أبي وذكر حديث إبراهيم بن سليمان أبي إسماعيل المؤدب ، عن هرير بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج، عن جده رافع، عن النبي ﷺ أنه قال لبلال: نور بالفجر قدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم.

قال أبي: روى أبو بكر بن أبي شيبة هذا الحديث عن أبي نعيم ، عن إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع، عن هرير بن عبد الرحمن، عن جده، عن النبي ﷺ۔

قال أبي: وسمعنا من أبي نعيم كتاب إبراهيم بن إسماعيل: الكتاب كله، فلم يكن لهذا الحديث فيه ذكر، وقد حدثنا غير واحد عن أبي إسماعيل المؤدب۔

قلت لأبي: الخطأ من أبي نعيم، أو من أبي بكر بن أبي شيبة؟

مزید یہ کہ معجم کبیر میں **محمد بن بکار بن الریان** (**ثقہ۔ تقریب:۵۷۵۸**) نے ابو اسماعیل المؤدب کی تصریح کی ہے۔ (**المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۴: صفحہ ۲۷۷، رقم الحدیث ۴۴۱۴**)، لہٰذا یہاں پر ابو اسماعیل المؤدب ہی ہیں۔

(۳) ابراہیم بن سلیمان ابو اسماعیل المــؤدب کے والد کے بارے میں ایک قول اسماعیل کا بھی ہے، "**وقد قيل إبراهيم بن إســماعيل**"۔ (**مشاہیر علماء الأمصار: صفحہ ۲۷۷، رقم ۱۳۹۳**) لہٰذا اس قول کے مطابق ان کا بھی نام ابراہیم بن اسماعیل، ابو اسماعیل المؤدب ہو گا۔

(۴) ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع المدنی۔ ضعیف ہیں۔ (التقریب:۱۴۸)

جبکہ ابراہیم بن سلیمان المؤدبؒ کی کئی علماء (امام احمدؒ، ابن معینؒ، عجلیؒ، دار قطنیؒ، نسائیؒ، ابو داؤدؒ، ابن حبانؒ) نے توثیق کی ہے۔ (**تہذیب الکمال: جلد ۲: صفحہ ۹۹، رقم الترجمۃ ۱۷۸**)

اسی طرح شیخ البانیؒ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (اگلا نمبر ملاحظہ فرمایئے)

(۵) مسند ابی داوٗد الطیالسی کی سند میں "**ابو إبراهيم**" آیا ہے، شیخ البانیؒ کہتے ہیں، ابو إبراہیم یہ کتابت کی غلطی ہے، یہاں کلمہ (أبو) زیادہ ہو گیا ہے، صحیح ابراہیم بن سلیمان ابو إسماعیل المؤدب ہے، اور وہ ثقہ ہیں۔

وأما أبو ابراهيم هذا , فلم أعرفه , ولعل كلمة (أبو) زيادة ووهم من بعض النساخ , فإن الحديث معروف من رواية أبى إسماعيل المؤدب عن هرير , كما يأتى وأبو إسماعيل اسمه إبراهيم بن سليمان بن رزين فالظاهر أنه هذا , وهو ثقة كما قال الدارقطنى وابن معين وغيرهما۔ (إرواء الغليل:۱/۲۸۴)

معلوم ہوا یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اور اس کی سند پر جتنے اعتراضات ہو سکتے تھے، تمام کے جوابات دیدئے گئے، **فالحمدللہ علی ذلک۔**

قال: أرى قد تابع أبا بكر رجل آخر؛ إما محمد بن يحيى أو غيره؛ فعلى هذا، يدل أن الخطأ من أبي نعيم. يعني: أن أبا نعيم أراد أبا إسماعيل المؤدب، وغلط في نسبته، ونسب إبراهيم بن سليمان إلى إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع۔ (**علل الحديث لابن ابی حاتم: ۲/۳۱۹، رقم ۴۰۰**)

اس حدیث کے مطابق علماء احناف کہتے ہیں کہ فجر کی نماز اتنی ہی تاخیر سے پڑھنا مستحب کہ لوگوں کو اپنے تیر گرنے کی جگہ نظر آنے لگے۔ **(اعلاء السنن: ۲/۳۳)**[19]

فجر کی نماز کب پڑھنا چاہیے چند علماء احناف کے کلام سے اس کی وضاحت:

مولانا سید زوّار حسین صاحبؒ فرماتے ہیں:

"فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے، لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ سورج نکلنے کا شک ہو جائے، بلکہ جب اِسفار یعنی اجالا ہو جائے اور اتنا وقت ہو کہ سنت کے موافق اچھی طرح نماز ادا کی جائے اور قرأت مستحبہ یعنی چالیس سے ساٹھ تک آیتیں[20] ترتیل کے ساتھ

---

[19] **ان کے الفاظ یہ ہیں:** "ولعلك قد عرفت أن الحنفية لا يريدون بالاسفار إلا ما ورد فى الحديث من أن ينور بقدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم"۔

[20] فجر کی رکعتوں میں قرآتِ مستحبہ کی مقدار سے متعلق، فقہ حنفی میں تین اقوال ہیں:

۱- سورہ فاتحہ کے علاوہ چالیس آیتیں۔

۲ -پچاس آیتیں۔

۳ -ساٹھ سے سو آیتوں تک تلاوت کرے،

اختلافِ اقوال کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فجر میں مختلف سورتیں تلاوت فرمانا منقول ہے، ان اقوال میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ امام اور مقتدیان کے احوال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تلاوت کی جائے۔

وفي (الجامع الصغير) يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقدر أربعين أو خمسين واقتصر في (الأصل) على الأربعين وفي (المجرد) ما بين الستين إلى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلاة والسلام فقيل: ما في (المجرد) محمول على الراغبين وما في (الأصل) على الكسالى والضعفاء أو ما في (الجامع) على الأوساط ورده في (الفتح) بأنه لا يجوز حمل فعله عليه الصلاة والسلام مع أصحابه على ذلك إذ لم يكونوا كسالى. أقول: يجوز أن يراد بالكسالى الضعفاء ولا ينكر أنه عليه الصلاة والسلام كان في أصحابه في بعض الأحيان الضعفاء فجاز أنه كان يراعي حالهم إذا صلوا معه وقيل: ينظر إلى طول الليالي وقصرها وكثرة الأشغال وقلتها وقيل: يقرأ في الآيات القصار مائة وفي الأوساط خمسين وفي الطوال أربعين۔ **(النهر الفائق:۱/ ۲۳۳)**

وفي الجامع الصغير يقرأ في الفجر في الحضر في الركعتين بأربعين آية أو خمسين آية سوى فاتحة الكتاب ويروى من أربعين آية إلى ستين ومن ستين إلى مائة، وهكذا ذكر الطحاوي أيضا ومراده أن يوزع الأربعين أو الخمسين بأن يقرأ في الركعة الأولى خمسا وعشرين وفي الثانية بما بقي إلى تمام الأربعين لا أن يقرأ في كل ركعة أربعين أو خمسين، ثم قيل المائة أكثر ما يقرأ فيهما والأربعون أقل ما يقرأ فيهما وقيل بالتوفيق بين الروايات كلها واختلف في وجه التوفيق فقيل إنه يقرأ بالراغبين إلى مائة وبالكسالى إلى أربعين وبالأوساط إلى الستين وقيل ينظر إلى طول الليالي وقصرها ففي الشتاء يقرأ مائة وفي الصيف أربعين وفي الخريف والربيع خمسين إلى ستين. وقيل ينظر إلى طول الآيات وقصرها فيقرأ أربعين إذا كانت طوالا كسورة الملك ويقرأ خمسين إذا كانت أوساطا وما بين ستين إلى مائة إذا كانت قصارا كسورة المزمل والمدثر والرحمن وقيل ينظر إلى قلة الأشغال

(ٹھہر ٹھہر کر) دونوں رکعتوں میں پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر شاید کسی وجہ سے یہ نماز درست نہ ہوئی ہو، خواہ طہارت میں خلل ہو یا نماز میں تو طہارت کر کے دوبارہ قرأتِ مستحبہ مذکورہ کے ساتھ سنت کے موافق سورج نکلنے سے پہلے نماز پڑھی جاسکتی ہو، ایسے وقت میں نماز (فجر) پڑھنا افضل ہے"۔ **(عمدۃ الفقہ: ٢ / ١٨)**

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

" مردوں کیلئے مستحب ہے کہ فجر کی نماز ایسے وقت شروع کریں کہ روشنی خوب پھیل جائے اور اس قدر وقت باقی ہو کہ اگر نماز پڑھی جائے اور اس میں چالیس پچاس آیتوں کی تلاوت اچھی طرح کی جاوے اور بعد نماز کے اگر کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا چاہیں تو اسی طرح چالیس پچاس آیتیں اس میں پڑھ سکیں"۔ **(بہشتی زور، نماز کے وقتوں کا بیان، مسئلہ نمبر ١)**

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

" نماز (فجر) ایسے وقت شروع کی جائے کہ اس میں قراءت مسنونہ کرنے کے بعد اگر فساد کی صورت پیش آجائے تو بطریقۂ مسنونہ اعادہ کرسکیں، تجربہ سے ثابت ہوا کہ طلوع آفتاب سے تقریباً آدھ گھنٹہ قبل قاعدہ مذکورہ کے مطابق نماز ہوسکتی ہے۔" **(احسن الفتاویٰ: جلد ٢: صفحہ ١٤١)**

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بارک اللہ فی علمہ وعمرہ فرماتے ہیں:

" نمازِ فجر حنفیہ کے نزدیک اسفار یعنی اجالے میں پڑھنا افضل ہے، البتہ نماز طلوع آفتاب سے اتنے پہلے ختم ہو جانی چاہیے کہ اگر کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا پڑے تو طوالِ مفصل [21] کی قراءت کے ساتھ اعادہ ہوسکے اور پھر بھی کچھ وقت بچ رہے"۔ **(فتاویٰ عثمانی: جلد ١: صفحہ ٣٦٠)**

وكثرتها وقيل يعتبر حال نفسه فإذا كان حسن الصوت يقرأ مائة وإلا فأربعين وأصل اختلاف الروايات فيها اختلاف الآثار في ذلك فروي عن جابر بن سمرة أنه - عليه الصلاة والسلام - كان «يقرأ في الفجر ب ق والقرآن المجيد» ونحوها وكانت صلاته بعد إلى تخفيف وروي عن أبي برزة كان النبي - صلى الله عليه وسلم - «يقرأ في الفجر ما بين الستين إلى المائة» وعن أبي هريرة أنه - عليه الصلاة والسلام - كان «يقرأ في الفجر يوم الجمعة ألم تنزيل الكتاب وهل أتى على الإنسان»**(تبيين الحقائق:١/١٣٠)**

[21] طوال مفصل سے مراد سورہ حجرات سے سورہ بروج ہے(وطوال المفصل من سورة: الحجرات إلى: والسماء ذات البروج)۔**(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:٥/ ٢٣٨)** وفي تحديد السور من حيث طوالها وقصرها وأوساطها نقول: ذهب الشافعية إلى أن طوال المفصل من الحجرات إلى النبأ، وأوساطه من النبأ إلى الضحى، وقصاره من الضحى إلى آخر القرآن الكريم.أما الحنفية فقد ذهبوا إلى أن طوال المفصل من سورة الحجرات إلى آخر البروج، وأوساطه من الطارق إلى أول البينة، وقصاره من البينة إلى آخر القرآن

افضلیتِ اسفار کی وجہ:

اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جماعت کی کثرت ہو جاتی ہے، اندھیرے میں پڑھنے کے بجائے کچھ اجالا ہو جانے کے بعد پڑھنے سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو پاتے ہیں، اور تکثیر جماعت مطلوب و محمود ہے۔ **(ولأن في التغليس تقليل الجماعة لكونه وقت نوم وغفلة، وفي الإسفار تكثيرها فكان أفضل، بدائع الصنائع: ١/ ١٢٥)**

خود حضرت نبی کریم ﷺ ادائیگیٔ نمازِ فجر میں کثرت جماعت کا لحاظ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اذان کے بعد مسجد تشریف لاتے، اگر آپ دیکھتے کہ لوگ کم ہیں تو آپ بیٹھ جاتے، پھر نماز پڑھاتے، اور اگر دیکھتے کہ صحابہ کرام جمع ہیں تو نماز پڑھا دیتے۔[22] **(فوائد ابی محمد الفاکہی: صفحہ ٢٩٣، رقم ١١٤، ١١٥، واللفظ لہ، المستدرک علی الصحیحین: ١/ ٣١٨، رقم ٢٤٧، سنن ابی داؤد: ١/ ١٤٩، رقم الحدیث ٥٤٥- ٥٤٦، أمالی ابن بشران، الجزء الاول: صفحہ ٤٠٧، رقم ٩٤٨، السنن الکبریٰ للبیہقی: ٢/ ٣١، رقم ٢٢٨٣)**[23]

الكريم۔وقال المالكية: إن طوال المفصل كذلك من الحجرات لكنها إلى سورة النازعات، وأوساط المفصل من عبس إلى سورة " والليل "، وقصاره من " الضحى " إلى آخر القرآن۔أما الحنابلة فقد ذهبوا إلى أن أول المفصل هو سورة " ق " وقيل فى المذهب: " الحجرات "، وأوساطه من " عم " إلى سورة " الضحى "، وقصاره من الضحى إلى آخر القرآن۔ (الدر المختار ١/ ٥٠٤ ، الشرح الكبير ٢٤٧/١ ، كشاف القناع ١/ ٣٩٩،إكمال المعلم بفوائد مسلم : ٢٧١/٢)

[22] **فوائد ابی محمد الفاکہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:**

أخبرني أبي، أخبرني عبد المجيد، عن ابن جريج، أخبرني موسى بن عقبة، عن سالم أبي النضر، أن النبي صلى الله عليه وسلم «كان يخرج بعد النداء إلى المسجد، فإذا رأى أهل المسجد قليلا جلس حتى يرى منهم جماعة، ثم يصلي، وكان إذا خرج فرأى جماعة أقام الصلاة۔

قال ابن جريج: وحدثني موسى أيضا , عن نافع بن جبير، عن مسعود بن الحكم الزرقي، عن علي بن أبي طالب، رضي الله عنه مثل هذا الحديث۔

[23] **پہلی سند کا حال:**

(١) عبد اللہ بن محمد بن العباس ابو محمد الفاکہیؒ: ثقہ، مکثر ہیں۔ **(الروض الباسم: ١/ ٦١٤، رقم ٥٠٦)**

(٢) ان کے والد محمد بن العباس ابو عبد اللہ الفاکہیؒ: امام ابو الطیب المکی الفاسیؒ (م ٨٣٢ھ) نے انہیں فضل و عدالت سے متصف کیا ہے، اور اور ان پر جرح کی نفی کی ہے۔(فإن كتابه يدل على أنه من أهل الفضل، فاستحق الذكر، وأن يوصف بما يليق به من الفضل والعدالة، أو

الجرح، وحاشاه من ذلك)۔(**العقد الثمین: جلد ٢: صفحہ ١١٠، رقم ٩٠**)اور شیخ معلمیؒ نے ان کی بات کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔(فقد أثنى عليه الفاسي في ترجمته من "العقد الثمين" ونزَّهَهُ عن أن يكون مجروحًا)۔(**النکت الجیاد : ١ /٥٣١، رقم ٦٣٥**)

نیز دوسری کتابوں میں ان کی متابعت بھی موجود ہے۔

(٣) عبد المجید بن ابی رواد۔صدوق یخطئ۔(**التقریب: ٤١٦٠**)لیکن یہ ابن جریجؒ کی روایت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔(**تہذیب الکمال: ١٨/ ٢٧١، رقم ٣٥١٠**) اور یہ روایت بھی ابن جریج سے ہی مروی ہے،لہذا وہ اس سند میں حجت ہوں گے۔

(٤) ابن جریجؒ۔ثقة فاضل، مدلس، یرسل۔(**التقریب ٤١٩٣**)اس روایت میں ابن جریجؒ نے سماع کی تصریح کی ہے۔

(٥) موسیٰ بن عقبہؒ۔ ثقہ۔(**التقریب: ٦٩٩٢**)

(٦) سالم ابی النضر۔ ثقہ، ثبت۔(**التقریب: ٢١٦٩**)

ابن جریج، موسیٰ بن عقبہ، سالم ابی النضر۔سند کا یہ حصہ صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔دیکھئے:(**صحیح مسلم: ١٧٤٢**)البتہ سالم ابی النضرؒ تابعی ہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں:یہ سند قوی و مرسل ہے۔وإسناده قوي مع إرساله۔ (**فتح الباری: ٢/ ١١٠**)

لیکن اس کی متابعت اگلی سند سے ہوتی ہے:

دوسری سند کا حال:

(أخبرني أبي، أخبرني عبد المجيد،) قال ابن جريج: وحدثني موسى أيضا , عن نافع بن جبير، عن مسعود بن الحكم الزرقي، عن علي بن أبي طالب، رضي الله عنه مثل هذا الحديث۔

اس میں ابو محمد الفاکہی، ان کے والد، عبد المجید، ابن جریج اور موسیٰ بن عقبہ کا حال بیان ہو گیا۔

(٦) نافع بن جبیر۔ ثقہ۔(**التقریب: ٧٠٧٢**)

(٧) حضرت مسعود بن الحکم الزرقیؓ یہ صحابی ہیں۔(**التقریب: ٦٦٠٩**)

(٨) حضرت علیؓ مشہور صحابی جلیل ہیں۔

نافع بن جبیر، مسعود بن الحکمؓ، علیؓ یہ سند مسلم کی شرط پر ہے۔دیکھئے(**صحیح مسلم: ٩٦٢**)معلوم ہوا یہ سند مرفوع متصل اور صحیح ہے۔امام حاکمؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے:یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے،اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے شیخین کی شرط پر کہا ہے۔(**المستدرک علی الصحیحین: جلد ١: صفحہ ٣١٨، رقم ٧٢٤**) غیر مقلد عالم شیخ البانیؒ پہلی سند کے بارے میں کہتے ہیں: یہ سند مرسل ہے اور حافظؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ سند قوی، مرسل ہے،اور دوسری سند

۲ وضاحتیں:

(۱) اس حدیث کی بعض روایتوں میں 'بعد النداء' (اذان کے بعد) کا جملہ ہے اور بعض میں " حین تقام الصلاۃ" (جب اقامت کہی جاتی) ہے، بعض علماء نے اس کی وجہ سے اس روایت پر کلام کیا ہے، اور بعض نے اس میں تاویل کی ہے۔ مگر ان میں کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہے، ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ اذان کے بعد، اقامت کے وقت جب تشریف لاتے اور صحابہ کرام کی تعداد کچھ کم محسوس ہوتی تو آپ کچھ دیر انتظار فرمالیتے۔

(۲) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر نماز میں آپ کا ایسا معمول تھا، نیز صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ نماز کیلئے دیر سے تشریف لاتے ہوں، البتہ کبھی ایسا ہو جاتا کہ آپ ﷺ تشریف لے آتے اور کچھ صحابہ کرام کو کسی وجہ تشریف لانے میں تھوڑی دیر ہو جاتی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تعداد کچھ کم محسوس ہوتی، تو آپ ﷺ کچھ دیر انتظار فرمالیتے۔ جس سے اتنی بات واضح طور معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ جماعت کی کثرت کا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

حنفیہ کے نزدیک افضلیتِ اسفار کی یہی علت ہے۔**(والذي يؤيد كلام الشراح أن ماذكره أئمتنا من استحباب الإسفار بالفجر والإبراد بظهر الصيف معلل بأن فيه تكثير الجماعة)۔(شامی: ۱/۲۴۹)**

ایک اہم تنبیہ:

افضلیتِ اِسفار کی اسی علت (تکثیر جماعت) کی وجہ سے، علماء احناف کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر لوگ غلس میں ہی جمع ہو گئے ہوں تو اسفار تک انتظار کرنے کی بجائے غلس میں ہی فجر ادا کر لینا افضل ہے۔

مفتی سعید صاحب پالنپوری (بارک اللہ فی علمہ وعمرہ) تحریر فرماتے ہیں کہ "فجر ادا کرنے کا مستحب وقت کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔اور حنفیہ کہتے ہیں یہ حالات کے تابع ہے، اگر اول وقت میں سب نمازی آجائیں تو غلس میں فجر پڑھنا افضل ہے، ورنہ اسفار میں یعنی تاخیر کر کے پڑھنا افضل ہے۔ **(تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: جلد ۲: صفحہ ۴۳۴)**

کے بارے میں کہتے: یہ سند جید متصل ہے، اوراس حدیث کو سلسلہ احادیث صحیحہ میں نقل کیا ہے۔ **(سلسلہ احادیث صحیحہ: ۷/۶۶۸، رقم الحدیث ۳۲۱۰)** مگر دوسری کتابوں میں اس کو ضعیف بھی کہا ہے۔ **(ضعیف ابی داؤد: ۱/ ۱۹۴)** مگر شاید یہ پہلے کی تحقیق ہے، اسلئے کہ اجمالاً بیان کیا ہے، جبکہ سلسلہ احادیث صحیحہ میں اس کی پوری تفصیل ذکر کر کے اس کی تصحیح کی ہے، معلوم ہوا یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

مزید عبارات:

قال ابن عابدینؒ: والذي يؤيد كلام الشراح أن ما ذكره أئمتنا من استحباب الإسفار بالفجر والإبراد بظهر الصيف معلل بأن فيه تكثير الجماعة۔ **(رد المحتار:١/٢٤٩)**

قال الإمام حافظ الدين هذه المسألة تدل على أن الصلاة في أول الوقت عندنا أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلة كتكثير الجماعة وأنكر ذلك بعض المتأخرين وقال قد ثبت بصريح أقوال علمائنا أن الأفضل الإسفار بالفجر مطلقا والإبراد بالظهر في الصيف وتأخير العصر ما لم تتغير الشمس من غير اشتراط جماعة فكيف يترك هذا الصريح بالمفهوم ويجاب لحافظ الدين أن الصريح محمول على ما إذا تضمن ذلك فضيلة كتكثير الجماعة؛ لأنه إذا لم يتضمن ذلك لم يكن للتأخير فائدة۔ **(الجوهرة النيرة: ١/ ٢٤) وانظر (البحر الرائق:١/ ١٦٣، نواقض التيمم)**

محدث کبیر، مولانا انور شاہ کشمیریؒ نقل فرماتے ہیں: (الاطلاع) في باب تيمم مبسوط السرخسي يستحب الغلس وتعجيل الظهر إذا اجتمع الناس۔ *(العرف الشذی ١/ ١٧٥)*، وفي «المبسوط» في باب التيمم: أن فضل الإبراد بالظهر والإسفار بصلاة الفجر، إنما هو عند عدم اجتماع القوم، فإن اجتمعوا قبله فالأفضل التعجيل۔ **(فیض الباری:٢/ ١٦٨، رقم ٥٦٢) مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (معارف السنن للعلامۃ البنوریؒ: جلد ٢: صفحہ ٣٨، تحت " تنبیہ ")**

اس سے دو اعتراضات کا جواب بھی ہو گیا:

اعتراض نمبر (١) :

اگر احناف کے نزدیک فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے، تو پھر وہ رمضان کے فضلیت والے مہینہ میں اس افضلیت کو چھوڑ کر غلس میں ہی کیوں نماز ادا کر لیتے ہیں۔

جواب:

رمضان المبارک میں لوگ تہجد اور سحری کے بعد نماز فجر کی ادائیگی کیلئے غلس ہی میں مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، اسلئے غلس میں فجر کی نماز ادا کر لی جاتی ہے، اسلئے کہ ایسی صورت میں یہی افضل ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ **فتاویٰ رحیمیہ سے ایک سوال وجواب تحریر کیا جاتا ہے:**

سوال:

رمضان میں رات کو لوگوں کی نیند پوری نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے سحری کے بعد فجر تک بیدار رہنا ان پر شاق گذرتا ہے، بعض تو گھر میں نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں، اور بعض نماز کے وقت بیدار ہو جانے کے ارادے سے نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں، بر وقت آنکھ نہ کھلنے کی صورت میں ثوابِ جماعت سے محروم رہتے ہیں اور بعضوں کی تو نماز بھی قضا ہو جاتی ہے اگر صبح صادق کے بعد جلد جماعت کر لی جائے تو سب جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں، ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجواب:

رمضان میں مذکورہ علت کی وجہ سے نمازِ فجر ہمیشہ کے وقت سے جلد پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اولی ہے سب لوگ شرکت فرما سکیں گے اور جماعت بڑی ہو گی اسکی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

"حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز میں کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں۔"[24]

پچاس آیات تو ایک اندازہ ہے، سحری کا وقت ختم ہو جانے کے بعد یعنی صبح صادق بعد پندرہ بیس منٹ ٹھہر کر نماز پڑھی جائے تو بہتر ہے، اتنا فاصلہ استنجاء وغیرہ سے فراغت کیلئے کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ **(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلوۃ: جلد ۴: صفحہ ۷۶)**

معلوم ہوا رمضان المبارک میں جبکہ لوگ غلس ہی میں نماز فجر کیلئے جمع ہو جاتے ہیں، اور اسی وقت ادائیگی فجر میں **"تکثیر جماعت"** بھی ہے، تو ایسی صورت میں غلس ہی میں فجر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اعتراض نمبر (۲):

بعض احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ اور اسلاف، غلس میں فجر ادا فرمایا کرتے تھے۔

اس کے ۲ جواب ہیں:

---

[24] الفاظ یہ ہیں: "عن زید بن ثابت قال تسحرنا مع رسول الله ﷺ ثم قمنا إلىٰ الصلاة ، قال : قلت کم کان قدر ذلک، قال : قدر خمسين آية" ۔ **(ترمذی: ۱/ ۸۸، ابواب الصوم، باب ماجاء فی تأخیر السحور)**

(اول) مذکورہ بالا اہم تنبیہ اور اعتراض نمبر ا کے جواب (یعنی **ص: ٣٨** پڑھنے) سے اسکا جواب بھی بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، کہ صحابہ کرامؓ اور اسلافِ امتؒ ہر رات کی اسی طرح قدر کرتے تھے جس طرح ہم شبِ قدر کی کرتے ہیں، راتوں کو تہجد میں گزارتے اور دن کو کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، خود قرآن کرام میں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **"والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاماً"**۔ **(الفرقان:٦٤)** "اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدہ میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں"۔

لہذا وہ نماز فجر کیلئے بھی غلس ہی میں جمع ہو جاتے، پس اس صورت میں افضل یہی ہے کہ غلس ہی میں نمازِ فجر ادا کرلی جائے۔ جبکہ آج کے دور میں، فجر کو تاخیر سے پڑھنے میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔ لہذا آج کے دور میں اسفار ہی میں فجر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اور رمضان میں غلس میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔تو غلس ہی میں فجر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔

(دوم) اسلاف امت فجر میں طویل قرآت کیا کرتے تھے، چنانچہ:

- عموماً نبی کریم ﷺ ٦٠ سے ١٠٠ آیتوں تک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ **(صحیح بخاری / ٧٧١)**
- ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سورہ مؤمنون پڑھنی شروع کی (جو تقریباً آدھے پارے کی ہے)۔ **(مسلم:٤٥٥)**
- حضرت ابو بکرؓ نے، مکمل سورہ بقرہ تلاوت فرمائی۔ (جو ڈھائی پارہ ہے)۔ **(مصنف ابن ابی شبیہ:٣٥٦٥)** وغیرہ
- حضرت عمرؓ بھی سورہ یوسف اور سورہ یونس جیسی طویل سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ **(طحاوی:١٠٧٦)**
- ایک مرتبہ آپؓ نے سورہ کہف اور سورہ بنی اسرائیل تلاوت فرمائی (جو ایک پارہ سے زیادہ ہے)۔ **(طحاوی:١٠٧٩)**
- حضرت عمرؓ صرف خود طویل قرآت نہیں کرتے، بلکہ آپ نے اپنے گورنروں کو بھی حکم فرمایا تھا کہ طویل قرآت کیا کریں، چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ کو خط لکھا کہ اور فرمایا کہ فجر کی نماز غلس میں پڑھو اور تطویل قرآت کرو۔ (قال: قرأت كتاب عمر، إلى أبي موسى فيه مواقيت الصلاة، فلما انتهى إلى الفجر، أو قال: إلى الغداة، قال: «قم فيها بسواد، أو بغلس وأطل القراءة)، **(مصنف ابن ابی شیبہ:١/ ٢٨٣، رقم الحدیث ٣٢٣٥، مصنف عبد الرزاق:١/ ٥٧٠، رقم ٢١٧٠، شرح معانی الآثار:١/ ١٨١، رقم ١٠٨٦، ١٠٨٧)**

اس کی سند کو سلفی عالم شیخ عبد العزیز بن مرزوق الطریفی نے صحیح کہا ہے۔(التحجیل: صفحہ ٦٧) اسی طرح المطالب العالیہ کے سلفی محققین نے کہا ہے کہ یہ اثر حضرت عمرؓ سے ثابت ہے۔ **(المطالب العالیہ: جلد ٣: صفحہ ١٤٥ اور ١٥٩، رقم الحدیث ٢٥١، ٢٥٣)**

اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کا عام معمول فجر میں طویل قرآت کرنے کا تھا۔ اس وجہ سے وہ فجر کی نماز غلس میں شروع فرماتے، تاکہ طویل قرآت کر سکیں۔

البتہ بعض روایتوں میں یہ تذکرۃ ہے کہ وہ کبھی اسفار بھی کیا کرتے تھے:

(١) حضرت علیؓ (كان علي رضي الله عنه ينور بالفجر أحيانا , ويغلس بها أحيانا) کبھی غلس میں نماز پڑھتے اور کبھی اسفار میں۔ **(شرح معانی الآثار للطحاوی: جلد ١: صفحہ ١٨٠، رقم الحدیث: ١٠٧٥ واللفظ لہ، الصلاۃ لأبی نعیم الفضل ابن دکین: صفحہ ٢٢٣، رقم الحدیث ٣٣٦)**

اس کی سند کے تمام روات ثقہ ہیں مگر سیف بن ہارون کی اکثر علماء جرح وتعدیل نے تضعیف کی ہے۔ بہر حال یہ سند سیف بن ہارون کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اگلے آثار سے اس کو تقویت ملتی ہے۔

- حضرت علیؓ نے قنبرؒ سے کہا أسفر أسفر یعنی روشن کرو روشن کرو۔ **(مصنف عبد الرزاق: ١/ ٥٦٩، مصنف ابن أبی شیبہ: حدیث نمبر ٣٢٦٣، طحاوی: ١/ ١٨٠، الاوسط ابن المنذر: ١/ ٣٧٨)**

(٢) ابو دوداءؓ نے فرمایا فجر کو روشن کرکے پڑھو یہ تمہارے لئے زیادہ سمجھداری کی بات ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ٣٢٦٦)**

ان دونوں اثروں کو سلفی عالم شیخ زکریا غلام قادر نے صحابہ کے صحیح آثار میں نقل کیا ہے۔(ماصح من آثار الصحابہ فی الفقہ: باب وقت الفجر: ١٧٠)

ان تینوں آثار سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی اسفار میں نماز فجر ادا کرتے اور کبھی غلس میں۔

نوٹ: ابن مسعودؓ، مغیرہؓ، حسین بن علیؓ سے بھی اسفار میں نماز فجر ادا کرنا مروی ہے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ٣: ص ١٢٦-١٣١)**

تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ:

(۱) اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے۔(اس لئے کہ موجودہ دور میں عام طور سے اسی وقت جماعت کی کثرت ہوتی ہے)

(۲) البتہ اگر غلس میں ہی سب لوگ جمع ہو جائیں (جیسے کہ رمضان میں ہوتا ہے،) تو پھر اسی وقت پڑھ لینا افضل ہے۔

(۳) نیز اگر عام معمول طویل قرآت کا ہے۔ تو غلس میں شروع کریں اور اسفار میں ختم، صحابہ کرام اور اسلاف امت تہجد گزار ہوا کرتے تھے، لہذا غلس ہی میں فجر کیلئے جمع ہو جاتے۔ اور ان کا عام معمول طویل قرآت کا تھا، اسلئے وہ غلس میں نماز شروع کر دیتے اور ختم ہوتے ہوتے اسفار ہو جاتا۔(اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہیں، دیکھئے **مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۲۷۹، اسنادہ صحیح)**

- لیکن بعض مرتبہ غلس میں شروع کرتے اور قرآت طویل نہ کرتے تو غلس میں ہی نماز مکمل ہو جاتی۔

- اور بعض مرتبہ اسفار میں ادا کرتے۔(جماعت کی کثرت کے لئے)

ان تمام احادیث وآثار میں امام طحاویؒ **(م۳۲۱ھ)** نے "تقریباً" اسی طرح کی تطبیق دی ہے۔ اور اسے علماء ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک قرار دیا ہے۔ **(شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۷۹ – ۱۸۴)** اور اس تطبیق پر تمام روایتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

آج اسفار میں نماز کیوں:

لیکن آج کے زمانہ میں اسفار ہی میں نماز فجر ادا کرنا افضل و مستحب ہے، اس لئے کہ:

اولاً تہجد گزاروں کی ایسی کثرت نہیں رہی کہ غیر رمضان میں، غلس ہی میں تمام لوگ نمازِ فجر کیلئے جمع ہو جاتے ہوں، نہ طویل قرآت کا معمول ہے،

دوم اب تکثیر جماعت (جس کی رعایت خود نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے) اسفار میں ہے، لہذا اب اسفار ہی میں پڑھنا افضل ہے۔

غیر مقلدین کی پیش کردہ ۲ روایتیں اور ان کا جواب:

پہلی روایت:

غلام مصطفی ظہیر امن پوری صاحب نے پہلی روایت یہ پیش کی: کہ

نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے پھر (نماز کے بعد) عورتیں اپنی چادروں سے لپٹی ہوئی نکلتیں، اور پہچانی نہیں جاتیں (من الغلس) اندھیرے کی وجہ سے (صحیح بخاری)۔ **(ضرب حق: شمارہ ٦: ص ٢٤)**

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ آپ ہمیشہ غلس میں نماز شروع فرماتے اور غلس میں ختم فرماتے۔

الجواب:

اولا اس میں **"من الغلس، اندھیرے کی وجہ سے"** یہ جملہ حضرت عائشہؓ کا نہیں ہے، بلکہ راوی کی طرف سے بڑھایا ہوا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ:

یہی روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دوسری جگہ بغیر اس جملہ کے ہے۔ دیکھئے **(بخاری: ٣٧٢، مسلم: ٦٤٥)**، سنن ابن ماجہ میں یہی روایت بالکل صحیح سند سے ہے، جس میں صراحت ہے کہ **"تعنی من الغلس"**۔ یعنی راوی کہہ رہے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے۔

اسی طرح یہ روایت مسند ابی یعلیٰ میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جس کے الفاظ ہیں کہ (**وننصرف وما یعرف بعضنا وجوہ بعض**) ہم ایک دوسرے کے چہرے کو نہیں پہچان پاتے، **(مسند ابی یعلی: ٤٤٣٩)** اس کے محقق اور عرب عالم شیخ حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس روایت میں **"من الغلس"** کا لفظ حضرت عائشہؓ کا نہیں، بلکہ کسی راوی کی طرف سے مدرج ہے۔

دوم بلکہ مسند ابی یعلیٰ کی اس روایت سے اس حدیث کا شان ورود مزید واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نماز کا وقت نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد آنے والی عورتوں کا پردہ کا اہتمام اور بعد کی عورتوں کا اس میں تساہل بیان کر رہی ہیں۔

حدیث کے مکمل الفاظ یوں ہیں:

أن عائشة قالت: «لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم من النساء ما نرى لمنعهن من المساجد كما منعت بنو إسرائيل نساءها، لقد رأيتنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر في مروطنا، وننصرف وما يعرف بعضنا وجوه بعض.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو ہم دیکھ رہے ہیں تو آپ انہیں مسجدوں سے ایسے روک دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا تھا، میں نے دیکھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی چادروں میں نماز پڑھتیں اور لوٹ آتیں کوئی ایک دوسرے کا چہرہ نہیں پہچانتا۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا پردہ کا اہتمام بیان کر رہی ہیں، اور بعد کی عورتوں کا اس میں تساہل، ان کے بیان کا مقصد فجر کی نماز کا وقت بتانا نہیں ہے۔

سوم اگر یہاں یہ معنی لیا جائے کہ غلس کی وجہ سے نہیں پہچانی جاتی تھیں، تو خود صحیح بخاری کی دوسری روایت سے تعارض لازم آئے گا ،حضرت ابوبرزہ الاسلمیؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (**وكان ينفتل من صلاة الغداة، حين يعرف أحدنا جليسه، ويقرأ من الستين إلى المائة**) آپ ﷺ جب نماز ختم فرماتے تو اتنی روشنی ہو جاتی کہ آدمی اپنے پڑوس والے کو پہچان لیتا۔(**صحیح بخاری: ۵۹۹)**

اسی طرح ایک روایت میں ہیں کہ (**والصبح إذا طلع الفجر إلى أن ينفسح البصر**) آپ ﷺ اس وقت نماز ختم فرماتے جب آنکھوں کو دور کی چیز نظر آنے لگتی۔(**نسائی ۱/۹۴ – ۹۵، مسند احمد ۳/۱۲۹، ۱۶۹**) سلفی عالم و محدث شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔(**ارواء الغلیل: ۱/۲۸۰**)

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے یہ مراد لینا کہ آپ ہمیشہ غلس میں نماز ختم کرتے تھے، دوسری صحیح روایتوں کے معارض بھی ہے۔

چہارم آپ ﷺ کی زمانے میں لوگ تہجد گزار تھے، اور وہ نماز فجر کی ادائیگی کیلئے غلس ہی میں مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، اسلئے غلس میں فجر کی نماز ادا کرلی جاتی تھی، کیونکہ ایسی صورت میں یہی افضل ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اور آپ ﷺ کا عام معمول بھی طویل قرات کا تھا۔ جس کی تفصیل گزر چکی، نیز اس بات کا اشارہ ابوبرزہ الاسلمیؓ کی روایت سے بھی ملتا ہے۔(دیکھئے سوم) اس لحاظ سے بھی نماز کو غلس میں شروع فرماتے۔ لہذا اگر طویل قرات یا جماعت کی تکثیر کی وجہ سے غلس میں نماز شروع کی جائے، تو اس کی اجازت ہے۔

لیکن کیا غیر مقلدین ان دونوں وجوہات کی بنا پر غلس میں نماز شروع کرتے ہیں ؟؟؟

دوسری روایت:

غلام مصطفی ظہیر امن پوری صاحب نے ایک روایت یہ بھی پیش کی: کہ

نبی کریم ﷺ (صلى الصبح مرة بغلس، ثم صلى مرة أخرى فأسفر بها، ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات، لم يعد إلى أن يسفر) نے ایک مرتبہ غلس میں نماز ادا فرمائی، پھر دوسری مرتبہ اسفار میں نماز ادا فرمائی، اس کے بعد آپ ہمیشہ غلس میں ہی نماز ادا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ (**ضرب حق: شمارہ ٦: ص ٢٥**)

الجواب:

اولا اس کی وجہ بیان کر دی گئی، کہ آپ ﷺ کی زمانے میں لوگ تہجد گزار تھے، اور وہ نماز فجر کی ادائیگی کیلئے غلس ہی میں مسجد میں جمع ہو جاتے تھے۔ آج بھی رمضان کے مہینے میں سحری کے بعد جب لوگ غلس میں ہی مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، تو پورے مضان میں نماز فجر غلس میں ہی ادا کی جاتی ہے۔ لہذا تکثیر جماعت یا طویل قرات کے وجہ سے، نماز فجر کو غلس میں ہی ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور غیر رمضان میں تکثیر جماعت چونکہ اسفار میں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگ اب تہجد گزار نہیں رہے۔ لہذا غیر رمضان میں نماز فجر میں اسفار افضل ہے۔ واللہ اعلم

دوم اس روایت میں زہری ؒ(**م ١٢٥ھ**) موجود ہیں جو کہ مدلس ہیں۔ (**فتح المبین: ص ٦٢، نور العینین: ص ١١٨**) اور اس روایت میں انہوں نے سماع کی صراحت بھی نہیں کی، جو کہ خود ظہیر امن پوری صاحب اور غیر مقلدین کے اصول کی رو سے مردود ہے۔ لیکن موصوف نے اپنا ہی اصول بھولا کر، اس روایت کو حسن کہا ہے۔ (اللہ ان کی غلطی کو معاف فرمائے)

سوم اس روایت کے بارے میں:

- امام داود ؒ(**م ٢٧٥ھ**) نے کہا: "**روى هذا الحديث عن الزهري معمر ومالك وابن عيينة وشعيب بن أبي حمزة والليث بن سعد وغيرهم، لم يذكروا الوقت الذي صلى فيه ولم يفسروه**" اس حدیث کو زہری ؒ سے معمر ؒ، مالک ؒ، ابن عیینہ ؒ، شعیب بن ابی حمزہ ؒ، اللیث بن سعد ؒ وغیرہم نے بھی روایت کیا۔ لیکن ان حضرات نے نہ نماز کے وقتوں کا ذکر کیا اور نہ ہی اس کی تفصیل بیان کی۔ (**سنن ابی داؤد: ١/ ٢٩٥، رقم الحدیث ٣٩٤**)

- امام طبرانی ؒ(**م ٣٦٠ھ**) کہتے ہیں" **ولم يحد أحد ممن روى هذا الحديث عن الزهري المواقيت إلا أسامة بن زيد**" اس حدیث "**المواقیت**" کو زہری ؒ سے روایت کرنے میں اسامہ بن زید ؒ اکیلے ہے۔ (**المعجم الاوسط: ٨/ ٢٩٩، رقم ٨٦٩٤**)

- امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں: " هذه الزيادة لم يقلها أحد غير أسامة بن زيد" اس زیادتی کو اسامہ بن زید کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ (**صحیح ابن خزیمہ: ۱/۲۱۳، رقم ۳۵۳**)

الغرض معلوم ہوا کہ معمرؒ، مالک بن انسؒ، ابن عیینہؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، اللیث بن سعدؒ جیسے ثقہ، ثبت حفاظ کے مقابلے میں صرف اسامہ بن زیدؒ [ثقہ عند الجمھور] اس زیادتی کو بیان کرنے میں منفرد ہیں اور پھر بعض علماء جرح وتعدیل نے اسامہؒ کے حافظہ کی کمزوری کی بھی نشادہی کی ہے۔ جس کا اقرار خود سلفی علماء کر چکے ہیں۔ چناچہ سلفی عالم و محدث شیخ البانیؒ کہتے ہیں "أن أسامة بن زيد الليثي- وإن كان ثقة من رجال مسلم-؛ فإن في حفظه بعض الضعف" اسامہ بن زید لیثی اگر چہ ثقہ ہیں، مسلم کے رجال میں سے ہیں مگر ان کے حافظہ میں کچھ ضعف ہے۔ (**صحیح ابو داوٗد، الام ۱/۴۲۲**) اسی طرح دوسرے سلفی عالم شیخ عبد العزیز بن مرزوق الطریفی کہتے ہیں کہ "أسامة بن زيد الليثي وفيه ضعف" اسامہ بن زید لیثی میں کچھ ضعف ہے۔ (التحجیل: صفحہ ۶۰)، مصر کے مشہور سلفی محدث ابو اسحاق الحوینیؒ نے کہا: " مُتَكَلَّمٌ في حفظه " ان کے حافظہ پر کلام کیا گیا۔ (**تفسیر ابن کثیر: ج۳: ص۲۷۶، بذل الاحسان: ج۲: ص۲۷۲**)

لہذا ثقہ، ثبت حفاظ کے مقابلے میں کیا ایسے راوی کی زیادتی غیر مقلدین کی نزدیک مقبول ہوگی؟؟

یہ بھی یاد رہے کہ غیر مقلدین نے اکثر ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں دوغلی پالسی کا ثبوت دیا ہے۔ **جس کی تفصیل ص: ۲۶ پر موجود ہے۔**

لہذا غلام مصطفیٰ ظہیر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں اپنے موقف کی وضاحت کریں اور اوپر موجود سوالات کے جوابات دیتے ہوئے، بتایئے کہ وہ کن حدیثوں کو صحیح، کن کو ضعیف اور کن اقوال کو مردود تسلیم کرتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہو کہ اسامہ بن زید اللیثیؒ کی زیادتی ان کے نزدیک صحیح ہے یا ضعیف؟؟

خلاصہ:

(۱) فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے، یہی قرآن وسنت کے زیادہ موافق ہے۔ تاخیر کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (موجودہ زمانے) اس میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔ اور آپ ﷺ بھی جماعت کی کثرت کیلئے کبھی انتظار فرمایا کرتے تھے۔

(۲) حدیث شریف کے مطابق اتنی تاخیر مستحب ہے کہ تیر پھینکا جائے، تو اس کے گرنے کی جگہ نظر آئے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

(٣)　اگر غلس ہی میں پڑھنے میں تکثیرِ جماعت ہو تو اسی وقت پڑھنا افضل ہو گا۔

(٤)　اسلاف سے اسفار اور غلس دونوں ثابت ہیں۔ عام معمول غلس میں پڑھنے کا تھا، اس لئے کہ اسی وقت لوگ اکثر جمع ہو جاتے، اور اس وقت پڑھنے میں بھی تکثیر جماعت ہوتی، نیز تطویل قرآت کی جاتی تھی، اس لئے غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم فرماتے۔ البتہ کبھی کبھی اسفار میں بھی پڑھنے کا معمول تھا۔

(٥)　جن روایتوں میں غلس میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ غلس میں شروع فرماتے اور اسفار میں ختم کرتے۔ کبھی کبھی غلس میں بھی ختم فرمادیتے۔

(٦)　جن روایتوں میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اسفار میں پڑھی پھر اسفار میں نہیں پڑھی اس کا مطلب ہے کہ اسفار شدید میں پڑھی۔ اس زمانہ میں، عام دنوں میں تکثیر جماعت اسفار میں ہوتی ہے، لہذا اسفار میں ہی پڑھنا افضل ہے۔

ھذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

غیر مقلدین کی ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں دوغلی پالسی۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

غیر مقلدین نے اکثر ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں دوغلی پالسی کا ثبوت دیا ہے۔ **مثلاً**

(۱) مشہور حدیث: **"لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"** میں **"فصاعدا"** کی زیادتی کو معمرؒ، ابن عیینہؒ، عبد الرحمٰن بن اسحاق المدنیؒ وغیرہ جیسے ثقہ، ثبت، صدوق رواۃ نے بیان کیا ہیں۔ (**صحیح مسلم: ج۱: ص۲۹۵، ابو داود: حدیث نمبر ۸۲۲، کتاب القراءۃ خلف الإمام: ص ۲۴**) لیکن ارشاد الحق اثری، یحیی گوندلوی وغیرہ غیر مقلدین نے اس ثقہ، حافظ کی زیادتی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کو شاذ قرار دیا۔ (**توضیح الکلام: ص ۱۳۳، خیر الکلام: ص ۷۳**) صرف اس وجہ سے کہ یہ زیادتی اس حدیث کو ان کے مسلک کے خلاف کر دیتی۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ یہ زیادتی اکثر ثقات نے بیان نہیں کی۔ (**توضیح الکلام: ص ۱۳۱، خیر الکلام: ص ۷۳**)

دوسری طرف ابن خزیمہ کی روایت میں مومل بن اسماعیلؒ (**م ۲۰۶ھ**) نے وائل بن حجرؓ کی حدیث میں **'علی صدرہ'** کا اضافہ ذکر کیا۔ جس کو یحیی گوندلوی نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ (**مقالات گوندلوی: ص ۵۷۰**) جب کہ اس زیادتی کو کوئی ثقہ حافظ [مثلاً **حسین بن حفصؒ** [**ثقہ، جلیل**]، **عبد اللہ بن الولیدؒ** [ثقہ، مامون][25] اور **محمد بن یوسف الفریابی** [**ثقہ**][26]] نے بیان نہیں کیا۔ (**الخلافیات للبیہقی: ج۲: ص**

---

[25] **کفایت اللہ صاحب کی بد دیانتی اور دوغلی پالیسی:**

جب کفایت اللہ سنابلی صاحب کو کوئی روایت شاذ ثابت کرنی ہوتی ہے، تو اس روایت کے مقابلہ میں اپنے راوی کے بارے میں کئی ائمہ کے حوالے سے اس کی توثیق کو بیان کرتے ہیں، مثلاً جب یزید بن خصیفہؒ کی ۲۰ رکعات تراویح والی روایت کو شاذ ثابت کرنا تھا، تو موصوف نے اپنے راوی محمد بن یوسفؒ کی توثیق میں ابن قطان، ابن حجر اور اسماء الرجال کی کتابیں تہذیب التہذیب، تہذیب الکمال کے حوالوں کو پیش کیا ہے۔ (**مسنون رکعات تراویح: صفحہ ۷۴**)

لیکن جب کفایت اللہ صاحب کی اپنی کوئی روایت شاذ ثابت ہونے لگتی ہے، تو موصوف بد دیانتی اور دوغلی پالیسی کا ثبوت دیتے ہیں:

جی ہاں! علی صدرہ کی زیادتی بیان کرنے والے خطاکار اور وہمی راوی مؤمل بن اسماعیل کی روایت کو غیر شاذ ثابت کرنے کے لئے، موصوف نے عبد اللہ بن الولیدؒ کو مؤمل سے کم تر بتایا ہے اور ابن الولید کی اعلیٰ درجہ کی توثیق کو چھپا کر، ان کے بارے میں صرف ۱۲ قوال نقل کئے ہیں۔ (**انوار البدر: صفحہ ۱۶۵**) اور اس میں بھی دھوکہ اور فراڈ سے کام لیا۔

عبد اللہ بن الولیدؒ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ' قد سمع من سفيان، وجعل يصحح سماعه، ولكن لم يكن صاحب حديث، وحديثه حديث صحيح، وكان ربما أخطأ في الأسماء، وقد كتبت أنا عنه كثيراً ' انہوں نے سفیان ثوریؒ سے سماع کیا اور وہ صحیح سماع کرتے تھے، وہ صاحب حدیث نہیں تھے، اور ان کی حدیثیں صحیح ہیں اور کبھی وہ لوگوں کے نام میں غلطی کرتے تھے اور میں نے ان سے بہت کچھ حدیثیں لکھی ہیں،

ان کی حدیثوں کو امام احمدؒ نے خود صالح کہا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: 'كانت صدور أحاديثه صحاحا كتبت عنه شيئا صالح '۔ **(الجرح والتعدیل: جلد ۵: صفحہ ۸۷۵، سوالات ابی داؤد لاحمد: رقم ۲۳۹)**، اور ابن الولید کی یہ روایت بھی امام احمدؒ سے ہی مروی ہے، جس میں علی صدرہ کا اضافہ نہیں ہے، امام خزرجیؒ نے بھی امام احمدؒ کے قول کو اپنا فیصلہ بتایا۔ **(خلاصہ تہذیب التہذیب: صفحہ ۲۱۸)** امام ابو داؤدؒ نے آپ کو ثقات مکہ میں شمار کیا ہے۔ **(دیکھئے سوالات ابی داؤد: صفحہ ۲۲۸)**، امام ابن حبانؒ نے بھی آپ کو ثقات میں شمار کیا اور کہا کہ عبد اللہ بن الولید مستقیم الحدیث ہے، امام دار قطنیؒ نے آپ کو ثقہ، مامون کہا، نیز آپ کو سفیان ثوریؒ کے حفاظ ساتھیوں میں شمار کیا ہے، امام ابو زرعہ الرازیؒ صدوق کہتے ہیں، امام ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی حدیثوں میں کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی، امام بخاریؒ آپ کو مقارب کہتے ہیں، نیز آپؒ سے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں تعلیقًا روایت لی ہے، اور باصول غیر مقلدین، آپؒ امام بخاریؒ کے نزدیک ثقہ ثابت ہوتے ہیں۔ **(انوار البدر: صفحہ ۱۳۶)**، نیز امام دار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے آپ کو '**ذكر أسماء التابعين ومن بعدهم ممن صحت روايته عن الثقات عند البخاري ومسلم**' میں بھی شمار کیا ہے۔ **(صفحہ ۲۰۴)**، حافظ عقیلیؒ نے بھی آپ کو ثقہ، معروف کہا ہے۔ **(تہذیب التہذیب: جلد ٦: صفحہ ۷۰، موسوعة أقوال أبي الحسن الدار قطني في رجال الحديث وعلله: جلد ۲: صفحہ ۳۸۲)**، امام ابو علی الطوسیؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن حبانؒ، امام ابو نعیمؒ، امام ضیاء الدین مقدسیؒ، امام بغویؒ، امام ابو عوانہؒ، امام حاکمؒ، اور امام ذہبیؒ وغیرہ نے آپ کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ **(مستخرج الطوسی: جلد ۳: صفحہ ۲۰۷، سنن ترمذی: حدیث نمبر ۱۶۲۳، صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۱۱۱٦، المستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم: جلد ۲: صفحہ ۱٦۴، شرح السنہ للبغوی: جلد ۱۳: صفحہ ۱٦۹، الاحادیث المختارۃ: جلد ۱: صفحہ ۳۸۸، صحیح ابی عوانہ: حدیث نمبر ۱۲٦۰، المستدرک للحاکم مع التلخیص للذہبی: جلد ۱: صفحہ ۳۱۴)**، یعنی ان تمام محدثین کے نزدیک عبد اللہ بن الولیدؒ ثقہ ہیں، جیسا کہ کفایت اللہ صاحب کا اصول ہے۔ **(انوار البدر: صفحہ ۲۷)**، امام ذہبیؒ نے صدوق بھی کہا ہے۔ **(المغنی فی الضعفاء: رقم ۳۴۱۴)**، نیز امام ذہبیؒ نے ان کی روایت کو مضبوط کہا ہے۔ **(المہذب فی اختصار السنن الکبیر: جلد ۱: صفحہ ۲۰۲)** اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی ابن الولیدؒ نے ثقہ، صدوق ہیں، غیر مقلدین کے محدث، البانی صاحب اور علامہ احمد شاکر غیر مقلد نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔ **(ارواء الغلیل: جلد ۳: صفحہ ۲۷۸، مسند احمد بتحقیق شاکر: جلد ۱: صفحہ ۳۷۴)**، بلکہ حافظ ابن حجرؒ کا رد کرتے ہوئے، شیخ شعیب الارناؤط اور شیخ بشار العواد معروف سلفی نے انہیں صدوق اور حسن الحدیث کہا ہے۔ **(تحریر تقریب التہذیب: ج ۲: ص ۲۸۴)**، حافظ ہیثمیؒ نے بھی آپؒ کو ثقہ کہا ہے۔ **(مجمع الزوائد: جلد ۹: صفحہ ۲۹۹، حدیث نمبر ۱۵٦۳۳، المعجم الصغیر: حدیث نمبر ۵۲۷)**

ان پر جرح کی حقیقت:

امام ابو حاتمؒ نے ان کے بارے میں کہا کہ ان سے احتجاج نہیں کیا جائے گا، یہ جرح کے بارے میں کفایت اللہ صاحب کی حفاظت سن لیجئے، وہ کہتے ہیں کہ: بلکہ ارشاد الحق اثری صاحب نے کہا: یہ جرح قابل اعتبار نہیں، نیز کہتے ہیں کہ یہ جرح باعثِ ضعف قطعاً نہیں۔ **(توضیح الکلام: صفحہ ۳۸۹)**،

- امام ازدیؒ نے کہا کہ: انہیں کچھ احادیث میں وہم ہوا۔ **(تہذیب التہذیب)**، امام ازدیؒ بذات خود غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ **(دفاع صحیح بخاری: ص ۴۴۰، مقالات زبیر علی زئی: ج ٦: ص ۱۴۰)** لہذا یہ جرح خود اہل حدیث کے اصول سے مردود ہے۔

کیا عبد اللہ بن الولید، مؤمل سے کم تر ہیں ؟؟

کفایت اللہ صاحب نے یہ کہہ کر دھوکہ دیا کہ عبد اللہ بن الولید عدنیؒ مؤمل بن اسماعیلؒ سے کمتر ہیں، عبد اللہ بن الولیدؒ کی توثیق اور آپؒ پر جرح کی حقیقت واضح کر دی گئی۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ دیکھ لیں اور فیصلہ کریں کہ کفایت اللہ صاحب کی بات میں کتنی سچائی ہے۔

کیونکہ ایک طرف ثقہ، مامون، حافظ عبد اللہ بن الولیدؒ ہیں، اور دوسری طرف مؤمل بن اسماعیلؒ ہیں، جن کا حال سب جانتے ہیں کہ ان پر کتنی جروحات موجود ہیں۔

خود سلفی اور عرب علماء نے ان کی تضعیف کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔(تفصیل کیلئے دیکھئے: **الاجماع مجلہ: شمارہ نمبر ٥: صفحہ ١**)، لیکن موصوف نے اپنے مسلک کی نصرت میں بیچاری عوام کو دھوکہ دیا۔

امام ابو حاتمؒ کے قول سے مؤمل کی تضعیف ہوتی ہے، نہ کہ ابن الولیدؒ کی:

امام ابو حاتمؒ نے مؤمل کو صدوق کہنے کے ساتھ ساتھ 'کثیر الخطا' کہا، جو کہ غیر مقلدین کے نزدیک جرح مفسر ہے۔(**توضیح الکلام: ص٩٣٨**) جبکہ **'لا يحتج به'** غیر مقلدین کے نزدیک جرح غیر مفسر اور نہ قابلِ اعتبار جرح ہے جیسا کہ حوالہ گزر چکا،(**دیکھئے ص:٤٩**) اور خود غیر مقلدین نے لکھ رکھا ہے کہ جرح مفسر کے مقابلہ میں جرح مبہم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔(**سلسلة الأحاديث الضعيفة: ج١: ص٥٢٩، احسان الجدال: ص٩٢، دین الحق: ج١: ص٦٧**)

لہٰذا خود کفایت صاحب کے مسلک کے اصول سے امام ابو حاتمؒ کی نظر میں مؤمل کی تضعیف واضح ہے، نہ کہ ابن الولیدؒ کی۔

امام ذہبیؒ کے قول میں خیانت:

امام ذہبیؒ کا موصوف نے صرف ایک ہی قول نقل کیا، کہ وہ ابن الولیدؒ کو شیخ کہتے ہیں، حالانکہ امام ذہبیؒ کے نزدیک وہ صدوق اور ثقہ ہیں، جیسا کہ حوالہ عبد اللہ بن الولیدؒ کی توثیق کے ضمن میں گزر چکے، جس کو موصوف نے نقل نہیں کیا، اسی طرح اور بھی کئی ائمہ نے ان کی صریح اور اعلیٰ توثیق کی ہے، جس کو موصوف نے چھپا لینے میں عافیت سمجھی، صرف اس وجہ سے کہ اس سے مؤمل بن اسماعیلؒ کی روایت شاذ ثابت ہو رہی تھی۔

الغرض امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی عبد اللہ بن الولید صدوق اور ثقہ ہیں۔

کفایت اللہ صاحب سے عرض ہے کہ: آپ مؤمل کو ابن الولید سے اعلیٰ کہہ رہے ہیں، حالانکہ محدثین کے علاوہ آپ کے اپنے مسلک ٢، انہیں بلکہ کئی سلفی علماء نے مؤمل بن اسماعیل کو ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا اللہ سے ڈریں اور بیچاری عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

نیز، الٹا آپ کے البانی صاحب نے واضح کیا ہے کہ عبد اللہ بن الولیدؒ کا درجہ مؤمل سے بڑھا ہوا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ **'مؤمل هذا قريب حاله من حال العدني'** یہ مؤمل بن اسماعیل کی حالت (یعنی مؤمل کا درجہ) عبد اللہ بن الولید العدنی کی حالت (یعنی العدنی کے درجہ) سے قریب ہے۔(**سلسلہ احادیث صحیحہ: جلد٦: صفحہ ٩٢٩**)، الغرض کفایت اللہ صاحب کا دھوکہ، بد دیانتی باطل و مردود ہے اور تحقیق اور ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کی رو سے عبد اللہ بن الولیدؒ کا درجہ مؤمل بن اسماعیلؒ سے اعلیٰ ہے۔

لہٰذا خود غیر مقلدین کے اصول سے ابن الولیدؒ کی روایت کے مقابلہ میں مؤمل کی زیادتی (علی صدرہ) شاذ ہے۔

نوٹ:

ابن الولیدؒ کے ساتھ ساتھ حسین بن حفصؒ اور محمد بن یوسف الفریابیؒ نے بھی ہاتھ باندھنے کا ذکر تو کیا، لیکن علی صدرہ کا اضافہ ذکر نہیں کیا، جیسا کہ حوالہ گزر چکا۔

کفایت صاحب اس کا کیا کریں گے ؟؟؟

۴۰۱، مسند احمد: حدیث نمبر ۱۸۸۷۱، معجم الکبیر للطبرانی: ج۲۲: ص۳۳) اور امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے یہاں تک لکھا کہ اس زیادتی '**علی صدرہ**' کو مومل کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ **(الخلافیات: ج۱: ص۲۵۲)** اور وائل بن حجرؓ کی حدیث میں '**علی صدرہ**' بیان کرنے میں مومل کا کوئی ثقہ متابع بھی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت غیر مقلدین کے مسلک کے موافق تھی۔ اس لئے یحیی گوندلوی نے اپنا اصول بھلادیا اور اس زیادتی کو صحیح مان کر، اسے قبول کرلیا۔ جیسا کہ حوالہ گزر چکا۔

ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی مؤمل بن اسماعیل کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ **(تنقیح الکلام: ۱۲۲)**، مگر انوار البدر کے مقدمہ میں تو موصوف نے احناف کی روایت پر تو کلام کیا لیکن ابن خزیمہ کی روایت پر مؤمل کے تفرد پر خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔ **(انوار البدر: ۳۰-۳۳)**

مزید تعجب اس بات پر بھی ہوتا ہے، معمرؒ نے '**لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**' کی روایت میں "**فصاعدا**" کی زیادتی بیان کی، اور معمر بذاتِ خود ثقہ، ثبت ہیں، جس کا اقرار خود غیر مقلدین کر چکے ہیں۔ **(توضیح الکلام: صفحہ ۱۳۰)**، پھر ان کے متابعات میں ثقہ راوی ابن عیینہ اور عبد الرحمن بن اسحقؒ وغیرہ موجود ہیں، جس کی تفصیل گزر چکی، لیکن غیر مقلدین نے اس زیادتی کا انکار کیا، اور دوسری طرف ابن خزیمہؒ کی روایت کا راوی مؤمل نہ پختہ ہے اور نہ ہی مضبوط ہے، اس پر کئی محدثین مثلاً: امام دار قطنیؒ، امام احمدؒ، امام ابن سعدؒ، امام ساجیؒ، امام ابن قانعؒ، امام ابو داؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن حبانؒ، وغیرہ نے مؤمل بن اسماعیل کو خطاکار اور وہمی بتایا ہے، بلکہ امام ابو نصر المروزیؒ نے کثیر الخطاکے ساتھ ساتھ یہاں تک کہا کہ جس روایت میں وہ منفرد ہوں اس سے بچیں۔ **(انوار البدر: صفحہ ۱۸۰ – ۱۸۵)**، اور یہاں بھی مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں، جیسا کہ امام بیہقیؒ نے وضاحت کی ہے، جس کا حوالہ گزر چکا، پھر وائلؓ کی کی حدیث میں مؤمل کا کوئی ثقہ متابع بھی نہیں ہے۔

لیکن چونکہ یہ روایت غیر مقلدین کے مسلک کے موافق تھی، اس لئے انہوں ان سب علتوں کو نظر انداز کر کے، اس روایت کو قبول کر لیا۔

---

[26] محمد بن یوسف الفریابیؒ سے روایت کرنے والے عبد اللہ بن محمد بن سعد بن ابی مریم ضعیف ہیں، لیکن سفیان ثوریؒ کے علاوہ عاصم بن کلیبؒ سے بھی ایک جماعت (زائدہؒ، بشر بن المفضلؒ، سلام بن سلیمؒ، خالد بن عبد اللہؒ، عبد اللہ بن ادریسؒ، شعبہؒ، ظہیر بن معاویہؒ، عبد الواحدؒ، ابو عوانہؒ، ابو اسحاقؒ، قیس بن الربیعؒ، محمد بن فضیلؒ، ابو الاحوصؒ، وغیرہ) نے یہ روایت نقل کی ہے جس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، لیکن علی صدرہ کا اضافہ نہیں ہے، اور پھر سفیان ثوریؒ سے بھی حسین بن حفص اور عبد اللہ بن الولیدؒ نے بھی یہی روایت ذکر کی ہے، جس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، لیکن علی صدرہ کا اضافہ نہیں ہے۔

لہذا ان تمام شواہد کی وجہ سے، محمد بن یوسف فریابیؒ کی روایت بھی مقبول ہے اور عبد اللہ بن محمد بن سعد بن ابی مریم کا ضعف مضر نہیں۔

نوٹ:

یہی حال مسندِ احمد کی ھلبؓ کی حدیث کا بھی ہے، جس کی تفصیل آگے کسی شمارے میں آئے گی، تو کیا غیر مقلدین اس روایت کو بھی شاذ تسلیم کر لیں گے ؟[27]

۲ – زبیر علی زئی صاحب نے حافظ ابن کثیرؒ کا رد کرتے ہوئے نقل کیا: کہ جمہور کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ (**اختصار فی علوم الحدیث** ترجمہ زبیر علی زئی: **صفحہ ۴۸**) اور کہا کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ (**فتاویٰ علمیہ: جلد ۲: صفحہ ۲۹۵**)

لیکن زبیر صاحب نے بھی اس مسئلہ میں دوغلی پالیسی کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ ایک طرف موصوف نے دعویٰ کیا کہ وہ ثقہ کی زیادتی کو مانتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف جب ان کے سامنے حضرت علیؓ کا اثر پیش کیا گیا کہ وہ صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہی رفع الیدین کرتے تھے، تو اس کے جواب میں موصوف نے جتنے کچھ حوالے پیش کئے ہیں، وہ سب کے سب جرح غیر مفسر ہونے کی وجہ سے مردود ہیں، اور ایک حوالہ امام احمدؒ کا دیا کہ انہوں نے اس کا انکار کیا، (**نور العینین: صفحہ ۱۶۵**) تو جب اصل حوالے کی طرف رجوع کیا گیا تو امام احمدؒ کے الفاظ تھے کہ: **ابو بکر نھشلی** علیہ الرحمہ کے علاوہ عاصم بن کلیبؒ سے کسی نے یہ حضرت علیؓ کا اثر ذکر نہیں کیا یعنی امام احمدؒ نے ان کے تفرد کی طرف اشارہ کیا۔

نوٹ:

امام احمدؒ نے خود ابو بکر نھشلیؒ کو ثقہ کہا ہے۔ (**سوالات ابی داؤد: رقم ۴۱۵**)

غور فرمایئے! یہاں پر امام احمدؒ نے ثقہ کی زیادتی کو قبول نہیں کیا۔

لیکن ثقہ کی زیادتی کو قبول کرنے کا دعویٰ کرنے والے حضرات کے ذمہ تھا کہ وہ اس کو پیش نہ کرتے، لیکن یہ روایت چونکہ ان کے مسلک کے خلاف تھی، اس لئے موصوف زبیر علی زئی صاحب نے اپنا اصول بھلایا اور الفاظ سے کھیل کر کہا کہ امام احمدؒ نے اس اثر کا انکار کیا، تاکہ حضرت علیؓ کے اثر کو ضعیف ثابت کر سکے۔

---

[27] **نوٹ:**

یہی سوال زبیر علی زئی صاحب نے ارشاد الحق اثری صاحب اور ان کے مقلدین سے کیا ہے۔ (**الاعتصام:۲۰۰۰: ۲۸/نومبر – ۴/دسمبر: صفحہ ۱۲**)

اسی طرح زبیر علی صاحب نے حضرت عمرؓ کے اثر کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے، امام ابو زرعہؒ کا قول پیش کیا کہ انہوں نے حسن بن عیاشؒ کے مقابلہ میں سفیان ثوریؒ کی اس روایت کو زیادہ صحیح کہا، جس میں پھر نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ **(نور العینین: صفحہ ۱۶۳)**

لیکن یہ جرح بھی زبیر صاحب کے منہج کے خلاف تھی، کیونکہ یہاں بھی ثقہ کی زیادتی کا مسئلہ تھا، جیسا کہ متن سے ظاہر ہے، مگر موصوف نے اس مقام پر بھی وہی حرکت کی اور اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے، اپنا اصول و منہج نظر انداز کر دیا۔

۳ ۔ ترکِ رفع الیدین کے مسئلہ میں ابن مسعودؓ کی حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے، موصوف نے امام یحیٰی بن آدمؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو داؤدؒ وغیرہ کا حوالہ دیا ہے۔

حالانکہ یہ تمام حوالوں میں ان ائمہ نے کہا کہ: ابن ادریسؒ نے 'ثم لا یعود' کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا، ابن داسہؒ کے نسخہ میں امام ابو داؤدؒ نے بھی اصلا یہی وجہ سے ثوریؒ کی حدیث کو غیر صحیح کہا۔ **(مسائل احمد بروایۃ عبد اللہ: رقم ۲۵۳، سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۷۴۸)**، لیکن زبیر علی زئی صاحب کا موقف جیسا کہ تفصیل گزر چکی کہ ثقہ کی زیادتی کو قبول کرنے کا ہے، لہذا موصوف کی دیانت داری تھی کہ وہ ان جروحات اور ان جیسی دوسری جروحات، جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، اس کو پیش نہ کرتے۔

مگر اپنے مسلک کے خاطر موصوف نے اپنے منہج کو نظر انداز کیا، تاکہ یہ ابن مسعودؓ کی حدیث کو ضعیف ثابت کر سکیں۔

الغرض یہ اہل حدیث علماء کی ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں کچھ دوغلی پالیسیاں ہیں۔

آخر میں اہل حدیث حضرات سے عرض ہے کہ:

- جو حضرات ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں یحیٰی گوندلوی، ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ کے مسلک (قرائن) کو مانتے ہیں، تو وہ (سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں) صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد کی حدیث اور ان جیسی دوسری احادیث، جہاں پر ثقہ اپنی زیادتی میں منفرد ہو اور اوثق نے اس کو بیان نہ کیا ہو۔ (مثلاً سنن ابی داؤد کی اسامہ بن زید اللیثی کی یہ روایت) تو ایسی روایت وہ پیش نہیں کر سکتے اور ان کے مسلک کے مطابق ثقہ کی زیادتی ان روایات میں شاذ ہوگی۔

- اور جو حضرات ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں زبیر علی زئی صاحب کے مسلک کو صحیح مانتے ہیں، ت ان سے عرض ہے کہ وہ "**لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**" کی حدیث میں "**فصاعدا**" کی زیادتی، اسی طرح صحیح مسلم کی ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں سلیمان التیمی کی زیادتی وغیرہ کو صحیح تسلیم کریں، نیز ترکِ رفع یدین کے مسئلہ میں زبیر صاحب کے پیش کردہ ائمہ کے اقوال، جس میں انہوں نے

'ثم لا یعود ' کی زیادتی پر کلام کیا ہے، تو ان تمام ائمہ کے اقوال کو غیر صحیح تسلیم کریں، کیونکہ جب ثقہ کی زیادتی مقبول ہے، تو وہاں بھی ان روایات میں 'ثم لا یعود ' کی زیادتی مقبول ہو گی، چاہے وہ اثرِ عمرؓ ہو یا اثر علیؓ ہو یا حدیث ابن مسعودؓ ہو، یا کوئی دوسری حدیث ہو۔

لہٰذا غیر مقلدین سے گزارش ہے کہ وہ ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں اپنے موقف کی وضاحت کریں اور اوپر موجود سوالات کے جوابات دیتے ہوئے، بتائیے کہ وہ کن حدیثوں کو صحیح، کن کو ضعیف اور کن اقوال کو مردود تسلیم کرتے ہیں ؟

نوٹ :

'الاجماع : ش۳:ص۷۰' پر طلحہ بن مصرفؒ **(م۱۱۲ھ)** کے والد مصرفؒ کی توثیق میں ایک حوالہ حافظ ابن عبد البرؒ **(م۴۶۳ھ)** کا دیا گیا تھا کہ انہوں نے مصرف کی روایت کو **'اصح'** کہا۔ لیکن دوبارہ نظر ثانی کی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ابن زیدؓ کی روایت کو **اصح** کہا،نہ کہ مصرفؒ کی روایت کو۔

اسی طرح **'الاجماع : ش۱:ص۵۳'** پر غیر مقلدین ،اہل حدیث علماء کے نزدیک امام ابو داودؒ **(م۲۷۵ھ)** کے سکوت کے حجت ہونے پر چند حوالہ دئے گیے تھے۔ جس میں نمبر ۴ پر ایک حوالہ غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادیؒ کا بھی تھا۔ لیکن ایک بھائی جناب اکبر علی صاحب نے مطلع کیا کہ اس کا ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا،اور صحیح ترجمہ یہ ہیں : کہ اس حدیث پر ابوداود ،منذریؒ نے سکوت کیا،حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حسن کہا۔ بھائی اکبر صاحب کی بات صحیح ہے لیکن اس سے غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادیؒ یا دوسرے قدیم علماء غیر مقلدین کے نزدیک امام ابو داودؒ **(م۲۷۵ھ)** کے سکوت کی عدم حجیت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اصل بنیاد اہل حدیث عالم قاضی شوکانیؒ **(م۱۲۵۰ھ)** کے قول پر ہے۔ دیکھئے **(نیل الاوطار : ج۱ :ص۲۶)** ، مزید تفصیل انشاء اللہ آنے والے شماروں میں آئے گی۔

لہٰذا قرائین سے گزارش ہے کہ اس بات کو نوٹ کرلیں۔

ظہر کا مسنون وقت

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ

"وقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله، ما لم يحضر العصر"

ظہر کا وقت اس وقت سے ہے، جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے (اور ختم نہیں ہوتا) جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔ (**صحیح مسلم: صفحہ ٢٧٧، حدیث نمبر ١٣٨٨، دوسرا نسخہ: جلد ١: صفحہ ٤٢٧، شرح معانی الآثار: جلد ١: صفحہ ١٤٩، حدیث نمبر ٩٠٧، واسنادہ صحیح**)

اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، مگر زوال کے بعد فوراً ظہر پڑھنا نہیں ہے، بلکہ مؤخر کر کے پڑھنی ہے،

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (**صل الظهر إذا كان ظلك مثلك**) جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے، تو ظہر کی نماز ادا کرو۔ (**مؤطا امام مالک: جلد ١: صفحہ ٨، حدیث نمبر ٩، واسنادہ صحیح**) مزید جب شدید گرمی ہوتی، تو حضور ﷺ ظہر کی نماز دیر سے ادا فرماتے تھے۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ٥٣٨، کتاب الام: جلد ١: صفحہ ٩١**)

ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے:

آپ ﷺ سے ایک مثل کے بعد بھی ظہر کی نماز پڑھنا بھی ثابت ہے:

چنانچہ **ترمذی: حدیث نمبر ١٥٨** میں ہے کہ (**قال: حتى رأينا فيئ التلول، ثم أقام فصلى**) جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر کی نماز کیلئے اقامت کہنی چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈا ہونے دو، راوی بیان کرتے ہیں کہ (تاخیر اتنی کی کہ) ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہو گیا، پھر آپؐ نے اقامت کہی،

اس طرح **بخاری: حدیث نمبر ٥٣٩** میں بھی ہے کہ (**حتى رأينا فيئ التلول**) (تاخیر اتنی کی کہ) ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے مساوی ہو گیا۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن الملقنؒ (م ۸۰٦ھ) کہتے ہیں کہ

''التلول: جمع تل، وهو كل بارز على وجه الأرض من تراب أو رمل، ولا يصير لها فيئ عادة إلا بعد الزوال بكثير، وأما الظل فيطلق على ما قبله أيضاً، وقد أوضحت ذلك في ''لغات المنهاج''، وظل التلول لا يظهر إلا بعد تمكن الفيئ واستطالته جدا، بخلاف الأشياء المنتصبة التي يظهر ظلها سريعا''

تلول، یہ تِل کی جمع ہے، اور تل سطحِ زمین پر مٹی یا ریت کے ابھرے ہوئے تودہ کو کہتے ہیں، اور عادتاً اس کا فیئ (سایہ) بہت زوال کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، اور رہا اس کا ظل (سایہ) تو اس کا اطلاق اس سے پہلے پر بھی ہوتا ہے، لغات المنہاج میں اس کی وضاحت کر دی ہے، اور تودوں [ابھری ہوئی زمین یا ریت] کا سایہ بہت زیادہ پھیلنے کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، بر خلاف کھڑی ہوئی اشیاء کہ اس کا سایہ جلد ظاہر ہوتا ہے۔ **(التوضیح لابن الملقن: ج٦: ص ١٥٣)**

کھڑی ہوئی اشیاء [جن کو عربی میں 'الأشياء المرتفعة' کہتے ہیں] اور زمین پر مٹی یا ریت کے ابھرے ہوئے تودہ [جن کو عربی میں 'الأشياء المنبسطة' کہتے ہیں] کے سایہ کی تصویری شکل ملاحظہ فرمائے جس سے یہ حدیث کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔
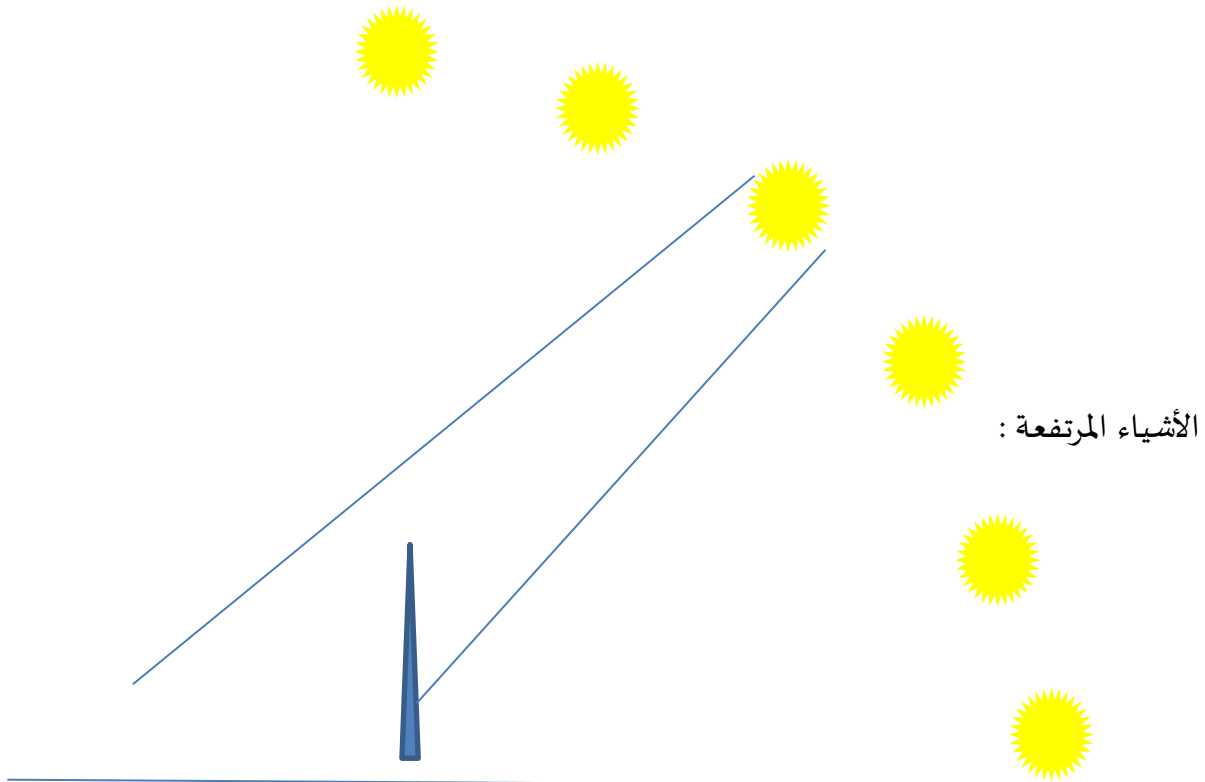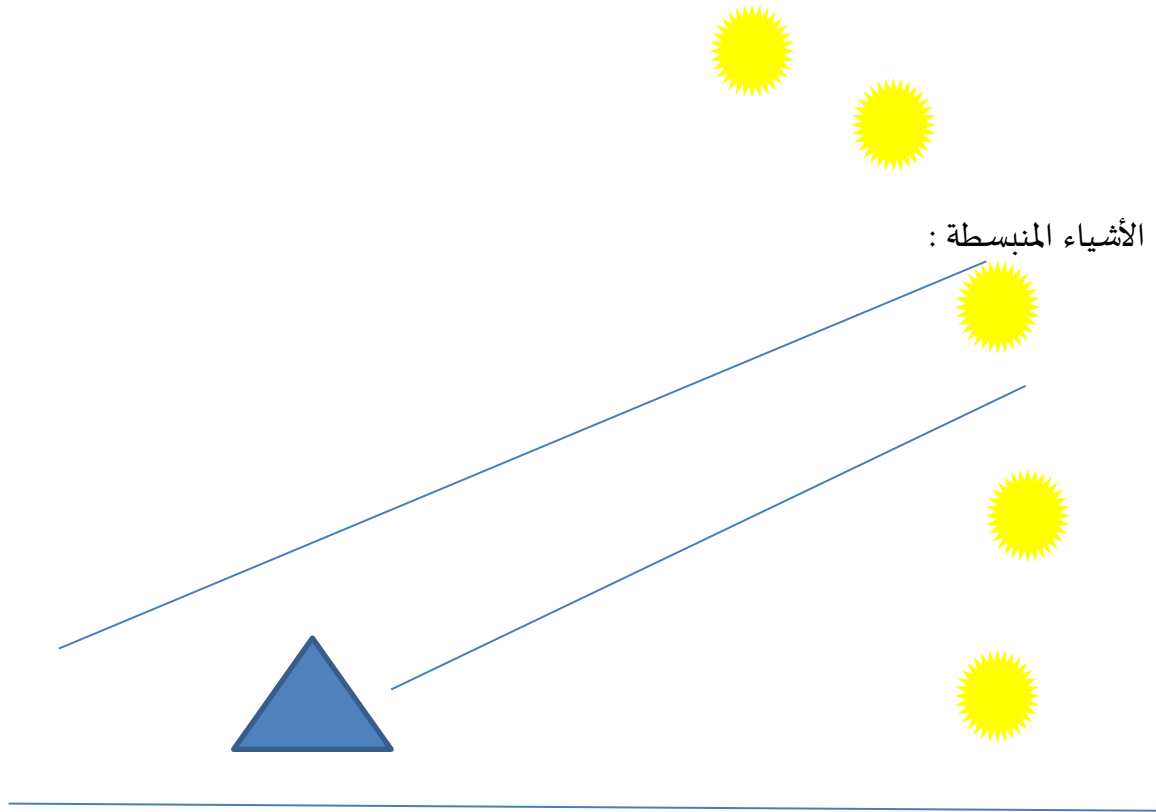
غور فرمائے! کھڑی ہوئی اشیاء[الأشياء المرتفعة] کے مقابلے میں زمین پر مٹی یاریت کے ابھرے ہوئے تودہ [الأشياء المنبسطة] کا سایہ بہت دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور بہت زیادہ تاخیر کے بعد اس کا سایہ اس کے ایک مثل کے ہوتا ہے۔(حدیث میں بھی تودے کے سایہ کے ایک مثل ہونے کا ذکر ہے)

یہی وجہ ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ(م ۱۳۵۳؁ھ) بھی فرماتے ہیں کہ:

"قوله: (حتى رأينا فيئ التلول) وعند البخاري في الأذان حتى ساوى الظل التلول، وهذا يدل على أن وقت الظهر يبقى إلى المثلين" بخاری کتاب اذان میں موجود حدیث **(حتى رأينا فيئ التلول حتى ساوى الظل التلول)** دلالت کرتی ہے کہ ظہر وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے، آگے شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ:

"لأن التلول في الغالب تكون منبطحة ولا تكون شاخصة فلا يظهر لها ظل إلا بعد غاية التأخير، فالمساواة لا تكون إلا بالمثلين، وأقر النووي بأنه دال على التأخير الشديد" اس لئے کہ تودے[ابھری ہوئی زمین یاریت] عام طور سے پستہ قد اور اونچے نہیں

ہوتے اور ان کا سایہ بہت ہی تاخیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا اس کا سایہ ایک مثل اسی وقت ہوگا جب کہ دوسری اشیاء کا سایہ دو مثل کے قریب قریب ہوگا۔ امام نوویؒ نے بھی اقرار کیا ہے کہ تودے کا سایہ اس کے مساویہ [یعنی ایک مثل] ہونا بہت زیادہ تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔ **(فیض الباری: جلد ٢ : صفحہ ١٤٥، رقم الحدیث: ٥٣٩)**

مزید عبارات:

والتلول: جمع تل بفتح المثناة الفوقية وتشديد اللام، وهو كل ما اجتمع على الأرض من تراب أو رمل أو نحو ذلك، وهي في الغالب منبطحة غير شاخصة، فلا يظهر لها ظل إلا إذا ذهب أكثر وقت الظهر۔ (التحبير لإيضاح معاني التيسير: ١١٤/٥)

(حتى رأينا فيئ التلول) الفيئ رجوع الظل من جانب المشرق إلى صائب المغرب، وقال أهل اللغة: كل ما كانت عليه الشمس فزالت فهو فيئ، وقيل: الفيئ لا يكون إلا بعد الزوال، والظل يطلق على ما قبل الزوال وما بعده و"التلول" بضم التاء جمع "تل" وهو ما اجتمع على الأرض من تراب أو رمل أو نحو ذلك، وهي في الغالب منبطحة غير عالية، فلا يظهر لها ظل إلا إذا ذهب أكثر وقت الظهر۔ (فتح المنعم شرح مسلم لموسى لاشين المصري: ٣١٨/٣)

نوٹ:

ظل اور فیئ، اور اردو میں دونوں کا ترجمہ سایہ سے کیا جاتا ہے، مگر عربی میں ان دونوں میں فرق ہے، ظل کا لغوی معنیٰ چھپانے کے ہیں، اور اصطلاح میں 'ما نسخته الشمس' یعنی وہ سایہ جو دھوپ آنے کی وجہ سے ختم ہو، اور یہ شروع دن سے دن کے اخیر تک ہوتا ہے۔

اور فیئ کے اصل معنی رجوع اور لوٹنے کے ہیں، اور اصطلاح میں ' ما نسخ الشمس' جو دھوپ کو ختم کرے، یعنی سورج کے ڈھلنے کے بعد کسی چیز کا جو سایہ ہوتا ہے، اس کو فیئ کہتے ہیں۔

فیئ کا اطلاق زوال کے بعد کے سایہ پر ہی ہوتا ہے،[28] اور بخاری کی حدیث میں فیئ کا لفظ ہے۔

---

[28] **قال ابن السكيت (م ٢٤٤ھ):**
والظل: ما نسخته الشمس، والفيئ: ما نسخ الشمس۔ **(إصلاح المنطق: ص ٢٢٨)**
وقال الدينوري (م ٢٧٦ھ):
معرفة ما يضعه الناس في غير موضعه:

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھی جبکہ ٹیلوں کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا، لہٰذا ان احادیث سے ظاہر ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔

اعتراض:

غیر مقلد عالم غلام مصطفیٰ امن پوری صاحب کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سفر سے ہے نہ کہ حضر سے۔ **(السنۃ: شمارہ نمبر ۲۰: صفحہ ۷)**

الجواب:

حالت سفر میں بھی ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا لازم ہے، اور ۲ نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا جائز نہیں، سوائے ایام حج میں مزدلفہ کی رات میں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے اپنے وقت کے علاوہ کبھی (دوسرے وقت میں) نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر ۲ نمازیں مغرب اور عشاء مزدلفہ میں۔ **(صحیح مسلم: صفحہ ۷۹۲، حدیث نمبر ۱۶۹۹**[29]**، دوسرا نسخہ: جلد ۲: صفحہ ۹۳۸)**

معلوم ہوا کہ مزدلفہ کے علاوہ کہیں بھی ۲ نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ:

ومن ذلک: "الظل والفیئ" یذهب الناس إلی أنهما شیئ واحد، ولیس کذلک، لأن الظل یکون غدوة وعشیة، ومن أول النهار إلی آخره، ومعنی الظل الستر، ومنه قول الناس "أنا فی ظلک" أي: فی ذراک وسترک، ومنه "ظل الجنة"، وظل شجرها إنما هو سترها ونوحیها، وظل اللیل: سواده، لأنه یستر کل شیئ، ــــــــــــــــــــــــ والفیئ لا یکون إلا بعد الزوال، ولا یقال لما قبل الزوال فیئ، وإنما سمي بالعشي فینا لأنه ظل فاء عن جانب إلی جانب، أي: رجع عن جانب المغرب إلی جانب المشرق، والفیئ هو الرجوع، ومنه قول الله عز وجل: حتی تفیئ إلی أمر الله (أي: ترجع إلی أمر الله)۔ أدب الکاتب: صفحه ۲۱، ۲۲)

[29] **صحیح مسلم: ص ۷۹۲: حدیث نمبر ۱۶۹۹، دوسرا نسخہ: جلد ۱: صفحہ ۴۸۹**، روایت کے الفاظ یہ ہیں: عن عبد الله، قال ما رأیت رسول الله ﷺ صلی صلاة إلا لمیقاتها، إلا صلاتین: صلاة المغرب والعشاء بجمع۔

جو شخص سفر میں ہو یا سخت بیمار ہو، اس کے لئے نماز ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص مثلا ظہر کی نماز کو اتنا مؤخر کرے کہ عصر کا وقت قریب ہو جائے، اور جب عصر کا وقت قریب ہو تو ظہر کی نماز پڑھ لے اور جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے، تو عصر کی نماز ادا کرلے، کیونکہ نبی ﷺ سفر میں ایک نماز کو مؤخر اور دوسری نماز مقدم فرماتے تھے۔[30]

اس دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں ایک نماز کو مؤخر اور دوسری کو مقدم فرماتے تھے، یعنی دونوں نمازوں کو اپنے ہی وقتوں پر پڑھتے تھے اور غیر مقلدین کے نزدیک ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔ **(نور العینین: ص ۱۲۰ ، دین الحق: ج۱: ص ۳۲۱)**

لہذا یہ بخاری والی روایت (حتی رأینا فيئ التلول) میں بھی آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے، ظہر کے آخری وقت میں ہی ادا کیا تھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کو عصر کے وقت میں پڑھا، کیونکہ ایسا آپ ﷺ نے مزدلفہ کے علاوہ، کہیں بھی نہیں کیا، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت گزر چکی۔

الغرض خلاصہ یہ کہ اس روایت میں آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی تھی، لہذا ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔

نوٹ:

اوپر حدیث گزر چکی کہ جب تک عصر کا وقت نہ ہو جائے، ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، کئی فقہاء اور صحابہ کا مذہب ہے کہ عصر کو مؤخر کر کے، ۲ مثل کے وقت پڑھنا چاہیے، اور یہ بات آپ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے، جس کی تفصیل 'عصر کا مسنون وقت' کے تحت آرہی ہے۔

اس لحاظ سے بھی ثابت ہوتا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔ اور یہی راجح اور درست ہے۔ واللہ اعلم

---

[30] روایت کے الفاظ یہ ہیں: **عن أنس عن رسول ﷺ: أنه كان إذا عجل به السير يؤخر الظهر إلى وقت العصر فيجمع بينهما، ويؤخر المغرب حتى يجمع بينهما وبين العشاء حتى يغيب الشفق۔ (سنن نسائی: حدیث نمبر ۵۹۴، صحیح مسلم: صفحہ ۲۸۸، حدیث نمبر ۱۶۲۵، دوسرا نسخہ: جلد ۱: صفحہ ۴۸۹، شرح معانی الآثار: حدیث نمبر ۹۸۴)**

سلسلہ توثیقات امام اعظم علیہ الرحمۃ باسناد صحیح ۴

امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) امام علي بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) کے نزدیک ثقہ ہیں۔

مولانا نذیر الدین قاسمی

امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) امام علي بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) کے نزدیک ثقہ ہیں۔ چنانچہ

حافظ المغرب، امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) کہتے ہیں کہ:

وقال الحسن بن علي الحلواني:

قال لي شبابة بن سوار: كان شعبة حسن الرأي في أبي حنيفة

وكان يستنشدني أبيات مساور الوراق:

إذا ما الناس يوما قايسونا ... بآبدة من الفتيا طريفه

وذكر الأبيات،

وقال علي بن المديني: أبو حنيفة روى عنه الثوري، وابن المبارك، وحماد بن زيد، وهشيم، ووكيع بن الجراح، وعباد بن العوام، وجعفر بن عون، وهو ثقة لا بأس به،

(ثقہ، ثبت، حافظ، حجت، صاحب تصانیف)[31] امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ مجھ سے (ثقہ، حافظ)[32] شبابہ بن سوارؒ (م ۲۰۶ھ) نے کہا کہ: امام شعبہؒ (م ۱۶۰ھ) امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

پھر امام شعبہؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف و مدح میں اشعار کہے، اس کے فوراً بعد حافظ حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲ھ) ہی فرماتے ہیں کہ (میرے استاد)[33] امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) نے کہا کہ: امام ابو حنیفہؒ سے امام سفیان ثوریؒ، امام عبد اللہ بن المبارکؒ، حماد بن زیدؒ

---

[31] تقریب: رقم ۱۲۶۲، الکاشف وغیرہ۔

[32] تقریب: رقم ۲۷۳۳۔

[33] تہذیب الکمال: جلد ٦: صفحہ ۲٦۱۔

،ہشیم بن بشیرؒ، امام وکیع بن الجراحؒ، عباد بن العوامؒ، اور جعفر بن عونؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ **(جامع بیان العلم وفضائلہ: جلد ۲: صفحہ ۱۰۸۳)**

معلوم ہوا کہ حافظ علی بن المدینیؒ کے نزدیک بھی امام ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں۔

نوٹ:

امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) کا یہ قول دراصل ان کے شاگرد امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲ھ) نے نقل کیا ہے، اور حسن بن علی الحلوانی کا قول حافظ المغربؒ نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب جامع بیان العلم وفضائلہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اعتراض:

رئیس ندوی سلفی نے یہ قول کو بے سند بتایا ہے اور کہا کہ بے سند بات نصوصِ کتاب وسنت کے مطابق جھوٹی قرار دیئے جانے کے لائق ہے۔ **(سلفی تحقیقی جائزہ: صفحہ ۷۷)**

الجواب:

امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) کا یہ قول ان کے شاگرد امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲ھ) نے نقل کیا ہے، جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔

اور امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲ھ) کا یہ قول، حافظ المغربؒ نے ان کی کتاب **'کتاب المعرفہ'** سے نقل کیا ہے۔

کیونکہ حافظ المغربؒ نے کئی مقامات پر امام حسن بن علی الحلوانیؒ کے اقوال ذکر کئے ہیں اور بعض جگہ پر انہوں نے ان کی کتاب کا بھی ذکر کیا، مثلاً:

وذكر الحسن بن علي الحلواني في كتاب المعرفة قال: سمعت عبد الرزاق يقول: سمعت معمرا يقول------ **(جامع بيان العلم وفضله: ج ۱: ص ۳۳۸)**

وذكره الحسن الحلواني في كتاب المعرفة ثنا محمد بن عيسى قال: حدثنا أبو سلمة يوسف بن الماجشون قال------ **(جامع بيان العلم وفضله: ج ۱: ص ۳٦۵)**

ثابت ہوا کہ یہ قول حافظ المغربؒ نے امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲؁) کی کتاب 'کتاب المعرفہ' سے نقل کیا ہے۔ غیر مقلدین، اہل حدیث حضرات بھی یہ اصول تسلیم مانتے ہیں: چناچہ

غیر مقلدین کے کفایت اللہ سنابلی صاحب نے بھی (بحوالہ **اکمال للمغلطائی**) سلیمان بن موسیٰ الدمشقیؒ کی توثیق میں ابن اکثم کا قول پیش کیا ہے اور کہا کہ (ایک دوسرے مقام پر) حافظ مغلطائیؒ نے ابن اکثم کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ **(انوار البدر: صفحہ ۱۸۸، طبعہ بیت السلام)**

یعنی موصوف یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ حافظ مغلطائیؒ نے یہ قول ابن اکثمؒ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

الغرض جب غیر مقلدین کے نزدیک ابن اکثمؒ کا قول ان کی کتاب سے لیا گیا ہے، تو پھر انہیں کے اصول میں امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م ۲۴۲؁) کا قول بھی ان کی کتاب **'کتاب المعرفہ'** سے نقل کیا گیا ہے۔

لہذا رئیس صاحب اعتراض باطل و مردود ہے، اور صحیح سند سے ثابت ہوا کہ امام علی بن المدینیؒ، امام ابو حنیفہؒ کو ثقہ مانتے ہیں، والحمد للہ۔

ارشاد الحق اثری صاحب کی پیش کردہ جرح اور اس کی حقیقت:

توضیح الکلام: صفحہ ۹۳۲ پر ارشاد الحق اثری صاحب نے بحوالہ تاریخ بغداد نقل کیا کہ علی بن المدینیؒ نے کہا کہ: امام ابو حنیفہؒ نے ۵۰ احادیث میں غلطی کی ہے۔

الجواب:

سند اور متن یہ ہیں:

أخبرني علي بن محمد المالكي، أخبرنا عبد الله بن عثمان الصفار، أخبرنا محمد بن عمران الصيرفي، حدثنا عبد الله بن علي بن عبد الله المديني قال: وسألته - يعني أباه - عن أبي حنيفة صاحب الرأي، فضعفه جدا، وقال: لو كان بين يدي ما سألته عن شيء، وروى خمسين حديثا أخطأ فيها. (تاريخ بغداد: ج ۱۳: ص ۴۲۲)

اسکی سند میں عبد اللہ بن علی بن المدینیؒ موجود ہیں، جس کے بارے میں خود اثری صاحب نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن علی کا ترجمہ تاریخ بغداد **(جلد ۱۰: صفحہ ۹)** میں موجود ہے مگر خطیب نے کوئی جرح یا توثیق نقل نہیں کی، البتہ حافظ ابن حجرؒ نے ابو جعفر الرازی پر کلام

کرتے ہوئے کہا کہ: عبد اللہ بن علی نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ وہ موسیٰ بن عبیدہ کی طرح ہے اور محمد بن عثمان نے ابن المدینی سے نقل کیا ہے وہ ثقہ ہیں، مگر محمد بن عثمان ضعیف ہے، پس عبد اللہ بن علی کی اپنے باپ سے روایت اولیٰ ہے۔ **(توضیح الکلام: صفحہ ۹۳۲)**

نوٹ:

حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ یہ ہیں:

وقال عبد الله بن علي بن المديني عن أبيه هو نحو موسى بن عبيدة يخلط فيما يروي عن مغيرة ونحوه وقال محمد بن عثمان بن أبي شيبة عن علي بن المديني ثقة

قلت محمد بن عثمان ضعيف فرواية عبد الله بن علي عن أبيه أولى۔ (تلخیص الجبیر: جلد ۱: صفحہ ۴۴۳)

غور فرمایئے! حافظ ابن حجرؒ عبد اللہ بن علیؒ کی روایت کو صرف **ضعیف راوی** کی روایت پر ترجیح دی ہے، نہ کہ ثقہ راوی کی روایت پر۔

لہذا اثری صاحب کی نقل کردہ عبارت کی روشنی میں **عبد اللہ بن علیؒ کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی، جب تک وہ کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہ کرے لیکن جب وہ ثقہ کی مخالفت کریگی، تو ان کی روایت غیر مقبول ہوگی، جیسا کہ ابن حجرؒ کی روایت سے ظاہر ہے۔**

اور یہاں امام ابو حنیفہؒ کے معاملہ میں عبد اللہ بن علیؒ کی روایت، (ثقہ، ثبت، حافظ، حجت، صاحب تصانیف) امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م **۲۴۲ھ**) کی روایت کے خلاف ہے، لہذا خود اثری صاحب کی نقل کردہ عبارت کی روح سے، عبد اللہ بن علیؒ کی روایت باطل اور مردود ہے۔

اور صحیح امام حسن بن علی الحلوانیؒ (م **۲۴۲ھ**) کی روایت ہے، جس میں ابن مدینیؒ نے امام صاحبؒ کو ثقہ کہا ہے۔

AL IJMA FOUNDATION YOUTUBE CHANNEL :
https://www.youtube.com/alijmaorg
YouTube SUBSCRIBE :
https://www.youtube.com/c/alijmaorg?sub_confirmation=1Alijma
WEBSITE : www.alijma.com
AL IJMA TWITTER : @alijmaofficial
FACEBOOK : https://m.facebook.com/alijmaOfficial/
AL IJMA EMAIL : Info@alijma.com
WHATSAPP : +91 8097867973
AL IJMA CONTACT : +91 9987925955
FOR MORE YouTube VIDEOS VISIT:
https://www.youtube.com/alijmaorg
-: FOR DONATIONS :-
DEVELOPMENT CREDIT BANK LIMITED (DCB BANK)
NAME : AL IJMA FOUNDATION
KURLA (011)BRANCH : MUMBAI - 400070.
A/C NO. 01122478630103
RTGS/NEFT/IFSC : DCBL0000011
Paytm No.: +91 9987925955
ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن
ALIJMA
FOUNDATION